حضرت قادر قمیص اعظمؒ
حیات و کرامات

زبدۃ العارفین سراج السالکین محی الملت والدین ثانی

حضرت قادر قمیص اعظمؒ

قدّس اللہ سِرّہُ العزیز

حیات و کرامات

الحاج علامہ سید اخلاق حسین دہلوی

طبع اول : ۱۴۱۳ھ ۱۹۹۲ء

تعداد : ایک ہزار

ناشرین : (۱) سید شاہ عبد الباسط قُمیصی القادری (سجادہ نشین) (۲) سید شاہ عبد القیوم قمیصی قادری (نائب سجادہ نشین) (۳) سید شاہ عبد الرزاق قمیصی قادری (دیوان) (۴) سید شاہ عبد الرحیم قمیصی قادری (نائب دیوان)

قیمت : 35/=

کاتب : شریف میاں ۔ محلہ راجدوارہ مسجد کیت رام پور یوپی (خانقاہ صفویہ ہدایتیہ) ۲۴۴۹۰۱

ملنے کے پتے

رحیم گلشن چوک پیرزادگان ، ساڈھورا ضلع جمنانگر ہریانہ ۔ ۱۳۳۲۰۴

کتب خانہ انجمن ترقی اُردو ، اُردو بازار، جامع مسجد دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۶

لبرٹی آرٹ پریس (پرودپرائٹرز: مکتبہ جامعہ میٹڈ) پٹودی ہاؤس دریا گنج، نئی دہلی میں طبع ہوئی

فہرست عنوانات

کتاب حضرت قادر قُمیصِ اعظمؒ

حیات و کرامات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	فہرست	۳ تا ۵
۲	آغاز	۷
۳	سفر بنگالہ (حضرت تاج الملۃ والدینؒ)	۸
۴	سلطان شاہ حسین	۹
۵	اولادِ پاک نہاد (حضرت ابوالحیات)	۱۱
۶	عہدِ ولادت (حضرت قمیصِ اعظمؒ)	۱۲
۷	تعلیم و تربیت	۱۲
۸	مناکحت	۱۴
۹	شہزادی کا انجام	۱۵
۱۰	حُجرہ نشینی	۱۶
۱۱	حدیثِ قدسی	۱۷
۱۲	کراماتِ قُمیصی	۲۰
۱۳	توکّل علی اللہ	۲۳
۱۴	دریائی مجاہدہ	۲۵
۱۵	حرمین شریفین	۲۷
۱۶	بغداد شریف	۲۷
۱۷	مراجعتِ ہند	۲۸
۱۸	اجمیر شریف	۲۹
۱۹	گنگوہ	۳۰
۲۰	سرائے افغان	۳۳
۲۱	ترمذی بزرگ	۳۴
۲۲	قاضی ابوالمکارم	۳۶
۲۳	ورودِ ساڈھورہ	۳۷
۲۴	عقدِ ثانی	۳۹
۲۵	زیارتِ مقابر	۴۱
۲۶	عروجی و نزولی کیفیات	۴۳
۲۷	خانقاہ	۴۴
۲۸	خلفاء	۴۶

ا

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۹	مراجعت بنگالہ	۴۸
۳۰	وفات	۴۸
۳۱	اعتذار	۴۹
۳۲	"تذکروں میں" تذکرہ	۵۱
۳۳	اخبار الاخیار	۵۱
۳۴	خزینۃ الاصفیا	۵۵
۳۵	قصر عارفاں	۵۷
۳۶	تذکرۃ الفقراء	۵۹
۳۷	تذکرہ اولیائے ہند	۶۰
۳۸	تحفۃ الابرار	۶۰
۳۹	حدیقۃ الاولیاء	۶۱
۴۰	نزہت الخواطر	۶۴
۴۱	تذکرہ ثمرات القدس	۶۶
۴۲	شہر پُرزیب۔ ساڈھورہ	۶۸
۴۳	پکا اور کچا قلعہ	۷۱
۴۴	منادر	۷۲
۴۵	مساجد	۷۲
۴۶	مسجد جن	۷۲
۴۷	مسجد قُمیصیہ	۷۳
۴۸	مسجد روضہ سید عبدالوہاب ترمذیؒ	۷۳
۴۹	جامع مسجد پیرزادگان	۷۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۰	جامع مسجد قاضیان	۷۴
۵۱	مسجد سرراہ	۷۴
۵۲	دیگر مساجد	۷۴
۵۳	عیدگاہ	۷۴
۵۴	مقابر۔ سید عبدالحمید گنج العلمؒ	۷۴
۵۵	ماموں بھانجے کی قبریں	۷۵
۵۶	گنج شہیداں	۷۶
۵۷	نوگزے پیر (مقابر)	۷۶
۵۸	ستر گزے	۷۷
۵۹	شہدائے بلندی	۷۷
۶۰	مشہد پیر سید بڈھو شاہ	۷۸
۶۱	مینارۂ زریں	۷۸
۶۲	کوشک اور بند	۷۸
۶۳	روضۂ مبارکہ حضرت قُمیص اعظمؒ منظر عرس	۷۹
۶۴	شجرۂ نسب غوثیہ قُمیصیہ	۸۲
۶۵	شعور و آگاہی	۸۵
۶۶	حقیقی اور نظری قدروں سے اشتراک نقشۂ حیات	۸۵
۶۷	رسالۂ قُمیصیہ	۹۲
۶۸	رسالۂ قُمیصیہ طبع اول	۹۰
۶۹	خوارقات حضرت قُمیص اعظم قادریؒ	۹۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۰	رویائے صادقہ	۹۹
۷۱	سفر بنگالہ	۱۰۳
۷۲	شاہ حسین کا حاضر خدمت ہونا	۱۰۴
۷۳	پیام شادی	۱۰۵
۷۴	سید ابوالحیات کی آمد اور شادی	۱۰۶
۷۵	نسب نامہ	۱۰۷
۷۶	حضرت سید تاج الدینؒ کی بغداد واپسی	۱۰۸
۷۷	ظہور کرامت	۱۰۹
۷۸	شاہ محمد ذاکری القادریؒ	۱۱۱
۷۹	شاہ عبدالعزیزؒ	۱۱۲
۸۰	حضرت شاہ قمیص اعظم قادریؒ	۱۱۲
۸۱	حادثۂ جاں ستاں	۱۱۳
۸۲	حجرہ نشینی اور حبس بیجا سے رہائی	۱۱۵
۸۳	مجاہدات شاقہ	۱۱۸
۸۴	زیارت حرمین شریفین	۱۲۰
۸۵	اجمیر شریف اور گنگوہ پہنچنا	۱۲۴
۸۶	سرائے افغان	۱۲۷
۸۷	حضرت سید عبدالوہاب ترمذیؒ	۱۲۸
۸۸	قاضی ابوالمکارمؒ	۱۳۰
۸۹	پیر نور	۱۳۱
۹۰	پیغام شادی	۱۳۲
۹۱	شادی خانہ آبادی	۱۳۳
۹۲	ہمایوں بادشاہ (ملاقات اور ہندی قیدیوں کی رہائی)	۱۳۷
۹۳	آثار ولادت	۱۴۱
۹۴	شہدائے بلندی	۱۴۲
۹۵	برادر نسبتی سید عبداللہ	۱۴۳
۹۶	کوہستان سرمور	۱۴۵
۹۷	حاتم بیگ تاجر	۱۴۶
۹۸	بازی طفلاں	۱۴۷
۹۹	خاتمۂ کتاب خوارقات	۱۴۷
۱۰۰	سنوات الاتقیاء	۱۴۸
۱۰۱	ضمیمہ	۱۵۰
۱۰۲	صحیفۂ ابرار	۱۵۰
۱۰۳	شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا مکتوب	۱۵۰
۱۰۴	سنہرا دیس	۱۵۴
۱۰۵	اشرف الاخبار دہلی ۱۸۶۷ء	۱۵۴
۱۰۶	شکریہ	۱۵۵
۱۰۷	کتابیات	۱۵۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت سید شاہ قادر قمیص اعظم قادری قدس سرہٗ العزیز

فخر دودمانِ سیادت محی الدین ثانی حضرت شاہ سید قادر قمیص[1] اعظم قدس اللہ سرہٗ العزیز وجعل اللہ جنت المثوٰی اپنے عہد کے ممتاز ترین اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے تھے۔ آپ کے ممتاز معاصر تذکرہ نویس حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

الحق دریں زماں در زمرۂ درویشاں وسالکاں ایں چنیں مردم در سلوک ایں طریق در رسوخِ قدم واتباعِ سنت حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نادر و عزیز الوجود اند۔

(اخبار الاخیار)

سچ یہ ہے کہ اس زمانے کے سالکوں اور درویشوں کے گروہ میں ایسے باکمال جو سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی اور اتباع میں اتنے ثابت قدم اتنے بارسوخ اور لائق اعتماد ہوں (جیسے حضرت قادر قمیصؒ ہیں) نادر و نایابِ زمانہ ہیں۔

ایک معزز معاصر کا یہ اعتراف کمال بڑی سے بڑی مدحت سرائی سے بہتر و افضل ہے۔ اس سے یہ حقیقت روشن ہے کہ سلوک وعلوم میں کوئی معاصر حضرت قادر قمیصِ اعظم قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ہم پلہ وہم مرتبہ نہ تھا۔ بلاشبہ آپ یگانۂ روزگار تھے۔

حضرت شاہ سید قادر قمیصِ اعظم قدس اللہ سرہٗ العزیز سید الآفاق تاج الملت والدین مفتی عراق حضرت سیدنا ومولٰنا حضرت شاہ عبدالرزاقؒ ابن غوث الثقلین محبوبِ سبحانی قطب ربانی محی الملت والدین سیدنا ومولٰنا شیخ الاسلام ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی پیران پیر دستگیر غوث اعظم قدس اللہ سرہٗ العزیز

---

[1] عربی زبان کے قاعدے سے قُمیص لفظ قمیص کی تصغیر ہے معنی ہیں چھوٹا سا کرتا البتہ سلوک میں جملہ کمالات درویشی کی جامع شخصیت مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے مجازی معنی ہیں۔ لباسِ ولایت عزت۔ (المنجد)

ورضی اللہ عنہ کی اولاد پاک نہاد سے تھے۔ دس واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب منتہی ہوتا ہے جیساکہ اوراقِ آئندہ میں زیرِ مطالعہ آئے گا۔

سفرِ بنگالہ

حضرت سید قادر قمیصِ اعظمؒ کے جدِ بزرگوار حضرت سید تاج الدین محمودؒ مشائخِ عصر میں برگزیدہ اور صاحبِ کشف وکرامت بزرگ تھے۔ آپ روضۂ مبارکہ حضرت پیران پیر دستگیر غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دروازے میں خواب استراحت فرمارہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ جدِ بزرگوار پیران پیر دستگیرؓ تشریف فرماہیں اور فرماتے ہیں کہ برخوردار تم ملک بنگالہ جاؤ وائیِ ملکِ بنگالہ میرا بہت ہی عقیدتمند ہے تم جاؤ اور اس کی رہنمائی کی سعادت حاصل کرو۔ یہی مشیئتِ ایزدی ہے اور یہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا منشأ وحکم ہے۔ آنکھ کھل گئی حضرت سید تاج الدین محمودؒ حیران وسراسیمہ رہ گئے۔ سوچنے لگے کہ یہ ماجرہ ہے تو کیا ہے۔ اسی فکر وتردد میں پھر آنکھ لگ گئی پھر یہی دیکھا۔ پھر آنکھ کھل گئی تو حیرت سوا ہوگئی دل ہی دل میں کہنے لگے کہ کیسے حکم کی تعمیل کروں۔ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ملکِ بنگالہ کہاں ہے۔ کدھر ہے۔ کس طرف ہے جاؤں تو کہاں جاؤں۔ کس سے دریافت کروں میں نے تو ملکِ بنگالہ کا نام تک بھی کسی سے نہیں سُنا۔ ان ہی خیالات میں مستغرق تھے کہ پھر آنکھ لگ گئی۔ پھر جدِ بزرگوار حضرت پیران پیر دستگیرؒ کو تشریف فرما دیکھا اور یہ کہتے سنا کہ برخوردار تم ہندوستان جاؤ وہاں سے تمھیں ملکِ بنگالہ کا راستہ مل جائے گا۔ آپ بیدار ہوئے اور آمادۂ سفر ہوگئے۔

دستورِ زمانہ کے مطابق کسی قافلے کی ہمراہی اختیار کی ہوگی کیونکہ تنِ تنہا اتنا طولانی سفر کرنا دوبھر ہی تھا۔ قافلے میں راہ آشنا رہبر بھی ہوتے تھے جن کی راہ نمائی سے قافلے بآسانی منزلِ مقصود کو پہنچ جاتے تھے۔ آپ نے ایسے قافلے کی معیت اختیار کی ہوگی جو ہندوستان کی سمت جانے والا ہوگا۔ یہ ممکن ہے کہ کہیں کہیں کسی دوسرے قافلے میں بھی شمولیت اختیار کرنی پڑی ہو۔ بہرحال آپ ہندوستان پہنچے اور ہندوستان سے بنگالہ کی راہ لی اور بنگالہ کے دار السلطنت شہر گوڑ (لکھنوتی) جا پہنچے اور شہر ہی میں

قیام فرمایا

دوران سفر میں آپ سے کرامات کا ظہور ہوتا رہا۔ اور اکثر اہلِ قافلہ معتقد و مرید ہوتے رہے جب آپ گوڑہ (بنگالہ) پہنچے تو آپ کے کشف و کرامت کی شہرت بھی ساتھ ہی ساتھ پہنچی۔ گوڑہ (بنگالہ) کے باشندے رجوع ہوئے حتیٰ کہ امرائے و مشائخ عظام اور سادات کرام نے بھی ملاقات کی سعادت حاصل کی اور اکثر حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے چلے گئے۔ یہ اطلاع جب والی ملکِ بنگالہ کو پہنچی جو پہلے ہی سے حضرت پیران پیر دستگیرؒ کا عقیدت مند بلکہ حلقہ بگوش تھا تو وہ بھی کمال شوق و نیازمندی سے حاضر خدمت ہوا اور شرف قدمبوسی سے مشرف ہوا۔

ملکِ بنگالہ میں آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ انھیں گھر بیٹھے وہ نعمت نصیب ہوگئی جس کا انھیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ یہ ضرور ہے کہ حضرت پیران پیر دستگیرؒ کو شہرت و قبول عام کا شرف حاصل ہے اور مسلم و غیر مسلم سب ہی آپ کے حلقہ بگوش ہیں اور رہے ہیں۔ گیارہویں شریف کا شہرہ عام ہے۔ گھر گھر یہ تقریب منائی جاتی رہی ہے اور منائی جاتی ہے مسلمان ہی نہیں ہندو بھی مناتے رہے ہیں پُرتکلف کھانے پکواتے اور دعوتِ عام کرتے ہیں۔ ابھی تک یہ سلسلہ برقرار ہے۔ ماہ ربیع الآخر کا نام ہی گیارہویں کا مہینہ ہوگیا ہے۔ اس مہینے میں محلے محلے دیگیں کھنکھناتیں اور دعوت عام سے عجب رونق ہوتی ہے اور حضرت پیران پیر دستگیرؒ کے نام و کام کا شہرہ چرخ چہارمین پر پہنچ جاتا ہے۔

حضرت پیران پیر دستگیر محبوب سبحانی قطبِ ربّانی غوثِ صمدانیؒ کی خدمت تبلیغ دین اور کرامات کی شہرت عام ہے اور بچے بچے کی زبان پر ہے۔ سلسلۂ قادریہ کی مقبولیت کا بھی یہی عالم ہے کہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں جاگزیں ہے۔ حجاز و عراق ۔ مصر و یمن ۔ شام و اندلس ۔ ایران و خراسان ۔ ہند و پاک ؛ جزائر الہند ۔ جاوہ سماٹرا۔ کشمیر و بنگال ۔ فلسطین و افغانستان ۔ ممالکِ روسی ۔ براعظم افریقہ ۔ یورپ و امریکہ میں بھی آپ کی اولادِ پاک نہاد اور نمائندگانِ سلسلۂ قادریہ مشغول کار ہیں اور سلسلہ

توسیع پذیر ہے۔ ان ہی گوناگوں اوصاف کی بدولت ملکِ بنگالہ میں حضرت سید تاج الدین محمود قادریؒ کو وہ مقبولیت نصیب ہوئی جو ہونی چاہیئے تھی۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ حضرت سید تاج الدین محمود قادریؒ بذاتِ خود اوصافِ شریعت و طریقت سے مزین تھے۔ گویا کہ ملکِ بنگالہ میں آپ ہی کے ہاتھوں سلسلۂ قادریہ کی نیو پڑی۔ جس نے مستقبل میں استقلال کے ساتھ فروغ پایا۔ مفتی غلام سرور لاہوریؒ رقمطراز ہیں:

در دیارِ ہندوستان سلسلۂ عالیہ قادریہ از ذاتِ بابرکاتِ سید ابی الحیاتؒ وشاہ قمیصؒ جاری شد۔ (خزینۃ الاصفیا ۱۷)

ہندو پاک کے شہروں میں سید ابی الحیاتؒ اور شاہ قادر قمیصؒ کی ذاتِ بابرکات کی بدولت سلسلۂ عالیہ قادریہ کا آغاز ہوا۔

حضرت سید تاج الدین محمود قادریؒ کچھ مدت قیام کے بعد بغداد شریف واپس چلے گئے تھے۔ انھوں نے جو تخم ریزی فرمائی تھی۔ ان کے بعد ان ہی دونوں بزرگوں نے آبیاری کی اور پروان چڑھایا اسی لیے ان دونوں بزرگوں کے نام نامی زبان قلم پر آئے ہیں۔ اور امر ہو گئے ہیں۔ ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

سلطان شاہ حسین

سلطان شاہ حسین والئ ملکِ بنگالہ کا نام شریف مکی ہے کنیت ابوالمظفر لقب علاء الدین اور عرف شاہ حسین ہے پہلے یہ سلطانِ بنگالہ سیدی بدر حبشی کا وزیر تھا۔ سیدی بدر بہت سخت گیر اور ظالم تھا۔ اس لیے اس کے خلاف بغاوت ہوئی اور وہ مارا گیا اس کے بعد اہلِ بنگالہ نے شاہ حسین کو بادشاہ بنالیا۔ یہ دین دار اور رعیت پرور تھا۔ سلطان شاہ حسین حضرت پیران پیر دستگیر سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا بہت ہی عقیدتمند تھا۔ تعجب نہیں جو شورش و بغاوت کے دوران یہ منّت مانی ہو کہ اگر سلطان سیدی بدر حبشی کو کامیابی نصیب نہ ہو تو میں اس منصب پر فائز ہو جاؤں۔ اگر مراد میری بر آئی تو میں اپنی دخترِ نیک اختر کو حضرت پیران پیر دستگیر محبوب سبحانی قطب ربانی کی اولاد نیک نہاد میں سے کسی کی زوجیت میں دے دوں گا۔ دراں حالیکہ شاہ و گدا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

دنیاوی اعتبار سے حضرت والا کی اولاد میں کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جسے کسی بادشاہ کا ہم پلہ قرار دیا جا سکے۔ گویا کہ یہ بہت بڑی قربانی تھی کہ لختِ جگر کو ایسے ماحول میں لا ڈالا جائے جہاں الفقر فخری کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔ غرض کہ سلطان شاہ حسین نے بڑی ہی عقیدتمندی کے جذبے سے یہ مَنّتْ مانی ہوگی۔ کچھ بھی سہی نیت اس کی یہ تھی کہ خانوادۂ غوثیہ میں سے کسی کی زوجیت میں اپنی بیٹی کو دے دے جیسا کہ ذکر آنے والا ہے۔ تعجب نہیں کہ کمالِ اخلاص سے اس نے بارگاہِ غوث الاعظمؒ میں عرض بھی کیا ہو۔ اور اسی کے صلے میں حضرت پیران پیر دستگیر رضی اللہ عنہ نے حضرت سید تاج الدین محمود قادریؒ کو سفرِ بنگالہ کے لیے ہدایت دی ہوگی۔

بہر حال سلطان شاہ حسین آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کر کے مسرور بھی ہوا اور مطمئن بھی۔ چنانچہ جب محل میں پہنچا تو اپنے ہمراز مصاحب کو بلایا اور دل کی بات اس کو بتائی اور کہا کہ تم حضرت والا کی خدمتِ فیض درجت میں حاضری دو اور میری یہ عرضداشت پیش کرو کہ شہزادی کے لیے مدت سے یہ بات دل میں ہے یا یہ مَنّتْ مان رکھی ہے کہ میں اپنی لڑکی کو حضرت پیران پیر دستگیر غوث الاعظم قدس اللہ سرہ العزیز کی اولادِ پاک نہاد میں سے کسی کی نذر کر دوں گا۔ یہ میری لڑکی کی خوش قسمتی ہے کہ خداوندِ قدوس نے آپ کو یہاں بھیج دیا ہے لہٰذا عرض یہ ہے کہ آپ میری لڑکی کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں۔ حضرت سید تاج الدین محمود قادریؒ یہ پیغام سماعت فرما کر مسکرائے اور فرمایا کہ میرا لڑکا سید ابوالحیات قادری بغداد شریف میں ہے میں اسے خط لکھتا ہوں دو درویشوں کو بھیجتا ہوں اور اسے بلائے لیتا ہوں انشاءاللہ وہ آجائے گا۔ مشیئتِ ایزدی بھی یہی ہے کہ دخترِ سلطان کی شادی اسی سے کی جائے۔ اگر بادشاہ چاہے تو اپنے معتبر اشخاص کو بھی ان دونوں درویشوں کے ہمراہ بھیج دے۔ بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی کہ معتبر اشخاص کو درویشوں کے ہمراہ بھیج دیا بلکہ اغلب ہے کہ سامانِ سفر اور مصارفِ سفر کا اہتمام بھی کیا ہوگا۔ بہر حال فرستادے گئے خط بھی لے گئے اور حضرت سید ابوالحیات قادریؒ اپنے والد بزرگوار کی طلب پر آگئے۔ صاحبِ خوارقات

نے لکھا ہے کہ می گویند بعد از چہار سال و نہ ماہ دیگر سید شاہ ابوالحیات قادری از حضرت بغداد در شہرہ کورہ بہ ملکِ بنگالہ رسیدند یعنی حضرت سید شاہ ابوالحیات قادریؒ بغداد شریف سے شہر کوڑہ (لکھنوتی) بنگالہ میں چار سال نو مہینے میں پہنچے تھے۔

الغرض جب حضرت سید ابوالحیات قادریؒ پایۂ تخت بنگالہ گوڑھ پہنچ گئے تو سلطان شاہ حسین نے اپنی دختر نیک اختر کا نکاح حضرت سید ابوالحیات قادریؒ سے کر دیا۔ دلی مراد بر آئی۔ اور اگرچہ حضرت سید تاج الدین محمود قادریؒ شاہی کروفر کو ناپسند فرماتے تھے کہ آپ نے بنگالہ سے واپسی کے وقت بھی اپنے مریدوں کو اور اپنی اولاد کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ شما موافق امرِ الٰہی دریں ملک باشید و بافقر و فاقہ گزران کنید و ہر آئینہ خود را باکشف و کرامت ظاہر مکنید (خوارقات) یعنی تم خداوند قدوس کے حکم کے مطابق یہیں رہو۔ درویشانہ زندگی بسر کرو۔ اور ہرگز ہرگز اپنے کو صاحبِ کشف و کرامت کی حیثیت سے ظاہر نہ کرو۔ تاہم یہ قرینِ قیاس ہے کہ شادی شاہی تزک و احتشام ہی سے ہوئی ہوگی کیونکہ شادی کیا تھی۔ یہ ایسی تمنا کی باریابی تھی جس کی باریابی بظاہر آسان نہ تھی اور وہ ہر اعتبار سے کمالیت کے ساتھ بارآور ہوئی۔ کتنی مسرت ہوئی ہوگی۔ بادشاہ پھولا نہ سمایا ہوگا۔ خیر خیرات بھی خوب کی ہوگی۔ اور حضرت پیران پیر دستگیرؒ کی خدمت میں تحفۂ ایصال ثواب بھی پیش کیا ہوگا اور خداوندِ قدوس کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بھی ادا کیا ہوگا

اولادِ پاک نہاد

شہزادی کے بطن سے حضرت سید ابوالحیات قادریؒ کے تین صاحبزادے تولد ہوئے۔ ان میں حضرت سید قادر قمیص اعظمؒ منجھلے صاحبزادے تھے۔ یوں تو تینوں ہی آفتاب و مہتاب تھے۔ مگر حضرت سید قادر قمیص اعظمؒ غیر معمولی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں:۔

از اوّلِ فطرت بر نشاءِ عبادت و تقویٰ و صلاح بر آمدہ۔ (اخبار الاخیار)	بچپن ہی سے آپ کی طبیعت عبادت و تقویٰ اور اصلاحِ حال کی طرف مائل تھی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ (القصص ۶۸ پارہ ۲۰) گویا کہ جسکو

جس مقصد سے تخلیق فرماتے ہیں اسے ان صلاحیتوں سے نوازتے بھی ہیں جو درکار ہوتی ہیں. کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہر کسے را بہرے کارے ساختند
حُبِّ آن در قلبِ او انداختند

گویا کہ حضرت سید قادر قُمیص اعظمؒ فطرتاً ان صلاحیتوں سے آراستہ پیراستہ تھے جو منصبِ ولایت کے لیے درکار تھیں اور ان ہی کو مجلّی کرنے کی طرف بچپن ہی سے آپ کا میلانِ طبع تھا۔

عہدِ ولادت یہ کیفیت عام ہے کہ سنہ ولادت بھی دستیاب نہیں ہوتا اور تاریخ ولادت بھی۔ مستورات بھی اگر یاد رکھتی ہیں تو دن اور مہینہ یاد رکھتی ہیں. وہ بھی کب تک۔ تدوجزرِ زمانہ سے وہ بھی محفوظ نہیں رہتے۔ البتہ بعض بعض کے ذکر میں ایسے نکات دستیاب ہو جاتے ہیں کہ ان کے سہارے عہدِ ولادت کا کچھ نہ کچھ تعین کر لیا جاتا ہے۔ وہ بھی یقینی نہیں ظنی ہی ہوتا ہے۔ حضرت سید قادر قُمیص اعظمؒ کا بھی معتبر سنہ ولادت دستیاب نہیں ہوتا البتہ قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ اپنے جدِ مادری (نانا جان) سلطان شاہ حسین (۸۹۹ھ/1493 تا ۹۲۵ھ/1519) کے عہدِ حکومت کے ربع آخر میں غالباً ۹۲۱ھ/1515 میں تولد ہوئے تھے۔ یہ بھی قرینہ ہی ہے۔ اسے بھی حتمی اور تحقیقی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ واقعاتِ زندگی سے اس کو ایک گونہ مطابقت ضرور ہے۔ جو واقعاتِ زندگی کی تفہیم میں معاون و مددگار ہے۔ جیسا کہ واقعاتِ زندگی کے مطالعہ سے واضح ہے۔

تعلیم و تربیت حضرت سید قادر قُمیص اعظمؒ نے اپنے والد بزرگوار حضرت سید ابو الحیات قادریؒ کی آغوشِ شفقت میں تعلیم و تربیت حاصل کی جیسا کہ بعض تذکروں کے بیان سے مترشح ہے۔ لیکن تعلیم و تربیت کے باب میں آپ کی فطری صلاحیت بنیادی طور پر کارفرما نظر آتی ہے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

جامع است میانِ علمِ شریعت
حضرت قادر قُمیص قادریؒ علمِ شریعت

وطریقت از اوّل فطرت برنشاۂ عبادت وتقویٰ وصلاح برآمدہ برعصمتِ ذاتی نشوونمایافتہ وبعدِ تحصیلِ علومِ دینی بہ تہذیبِ اخلاق وتبدیلِ صفات موافق شدہ

(اخبارالاخیار)

طریقت میں جامع شخصیت کے مالک ہیں بچپن ہی سے اصلاحِ حال وتقویٰ (خوفِ خدا اور پرہیزگاری) اور عبادت کی طرف میلان تھا انھوں نے ذاتی صلاحیت کے ساتھ پرورش پائی تھی اور دینی علوم حاصل کرنے کے بعد اپنے اخلاق وعادات کو شائستہ بنایا اور اوصاف سے آراستہ کرلیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا یہ مختصر سا بیان نہایت ہی جامع ہے جو متعدد نکات واحوال سے ہم آغوش ہے اور بہت ہی شرح طلب ہے یہ جملہ کہ جامع است میانِ علمِ شریعت وطریقت موبنھ سے بڑا بول رہا ہے کہ آپ ٹھک صوفی نہیں تھے بلکہ آپکو علمِ شریعت میں بھی کامل دسترس تھی بالفاظِ دیگر کہہ لیجیے کہ تفسیر وحدیث اور فقہ وعلمِ کلام پر بھی کامل عبور تھا۔ آپ عاملِ بے علم نہ تھے۔ علمِ طریقت سے مراد یہ ہے کہ آپ رموزِ معرفت سے علمی وعملی حیثیت سے کماحقہٗ آگاہ تھے کہ طریقت محض علم نہیں بلکہ عمل بھی ہے علمی روشنی وراہنمائی کے ساتھ ساتھ ؏

کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

پر عمل پیرا بھی تھے اور یہ جو کچھ بھی تھا وہی صلاحیت کا ثمرہ تھا۔ اور اس کا تعلق عہدِ کمالیت سے بھی ہے کہ ابتدائی کیفیت یہ ہے کہ بچپن ہی سے آپ عبادت کی طرف مائل تھے۔ پرہیزگاری۔ خدا پر بھروسہ اور خدائی خوف کے اوصاف سے قدرتاً متصف تھے۔ رہن سہن کے اور ماحول کے اور معاشرے کے جن عادات وخصائل سے متاثر ہونا پڑتا رہا تھا ان سے بچنے کی اور انھیں ترک کرنے کی سعی فرماتے رہتے تھے اور دینی علوم حاصل کرنے کے بعد دینی علوم کی روشنی میں عادات وخصائل کو سنبھالا اور انھیں اوصافِ حمیدہ سے تبدیل کرلیا اور یہ سب کچھ آپ تربیت کے دوران ہی کرتے ہے۔ گویا کہ آپ اپنے اخلاق وعادات کو سیرتِ پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے اور فی الواقع ڈھال ہی لیا۔ جب ہی تو آپ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ فی زمانانا درویشوں کے زمرے میں ایسے متبع سنت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نادر و نایاب ہیں۔ نیز یہ جملہ کہ برعصمت ذاتی نشو و نما یافتہ یہ بتارہا ہے کہ والد بزرگوار کی تعلیم و تربیت اور وراثتی فیوض و برکات کے ماسوا جو بھی منازلِ سلوک آپ نے طے کیں اور عروج کمال کو پہنچے تو اس کا مدار ذاتی استعداد اور وہبی صلاحیت ہی پر ہے۔ حضرت سید قادر قمیص اعظمؒ اپنے آباؤ اجداد کا جو بزرگانِ سلسلہ بھی تھے اس قدر احترام ملحوظ رکھتے تھے کہ استفادۂ دیگر کو بے ادبی تصور کرتے تھے چنانچہ جب خواجہ بزرگ نائب رسول اللہ فی الہند حضرت خواجہ معین الدین سنجری واجمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی جناب سے دستارِ سبز مرحمت ہوئی تو آپ نے یہ معذرت فرمائی :۔

برسر کلاہ قادری دارم۔ بر کلاہِ قادری دستارِ دیگر بستم۔ بزہ کار شوم۔ از غیرت قادریہ می ترسم۔

(خوارقات ۱۴)

میں نے قادری ٹوپی پہن رکھی ہے۔ اگر قادری کلاہ پر میں نے کوئی اور دستار باندھی تو میں بے ادب ٹھیروں گا۔ میں غیرتِ قادریہ سے ڈرتا ہوں (اس لیے معذور رہوں)

بھلا جو اتنا محتاط ہو۔ اور جس کو اتنا ادب و احترام ملحوظ ہو وہ کب کسی کے آگے دستِ طلب پھیلا سکتا ہے۔ ہمارے پیشِ نظر جو تذکرے ہیں ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں بتاتا کہ آباؤ اجداد کے سوا حضرت سید قادر قمیص اعظمؒ نے کسی اور کی کاسہ لیسی کی ہو۔ بلاشبہ حضرت سید قادر قمیصِ اعظمؒ بڑے ہی خود دار تھے اور انھوں نے اپنے کو خود ہی بنایا سنوارا تھا۔ یہی خلاصہ کلام ہے کہ حصولِ تعلیم و تربیت اور حصولِ کمال میں بھی ذاتی صلاحیت کو کامل دخل تھا۔

مُناکحت

حضرت سید قادر قمیص اعظمؒ کی سعادت مندی اور نکوکاری نے سب ہی کو موہ رکھا تھا۔ آپ عنفوانِ شباب کو پہنچے تو نہ معلوم کتنے دلوں میں یہ تمنا ہوگی کہ آپ کو اپنالیں۔ نصیر الدین نصرت شاہ عرف سلطان نصیب شاہ آپ کا سگا ماموں

تھا جو اپنے باپ سلطان شاہ حسین کی وفات کے بعد ۹۲۵ھ / 1519 میں بادشاہ بنا اور ۹۳۹ھ / 1532 میں فوت ہوا۔ اس نے جوہر قابل دیکھ کر اپنی لڑکی کی شادی حضرت قادر قمیصؒ اعظم سے کر دی کیا تو یہ اچھا ہی تھا گھر کی بیٹی گھر کا بیٹا۔ بچہ بھی ہونہار۔ مگر دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ مائل الی اللہ اور اسباب دنیاوی سے نفور۔ شہزادی عیش و عشرت کی دلدادہ اور تنک مزاج۔ طبائع کا یہ فرق رنگ لایا کیا کیا کچھ ہوا ......؟

شہزادی کا انجام

انجام کار شہزادی ایک دن آپے سے باہر بہت ہی برہم بہت ہی بد کلامی سے پیش آئی اور وہ کچھ کہہ گزری جو کہہ سکتی تھی۔ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ نے ہر چند تحمل سے کام لیا۔ دلداری بھی فرمائی۔ یہ بھی فرمایا بیٹھو بیٹھو ٹھنڈے دل سے بات کرو۔ مگر وہ آپے سے باہر ہی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ یہ بھی کہہ گزری کہ تم جیسے بہتیرے ہی فقیر فقرا میرے باپ کے در پر پڑے رہتے ہیں۔ تم ہو کیا۔ قصہ مختصر جب شہزادی کسی طرح مانی ہی نہیں اور بد کلامی سے باز ہی نہیں آئی تو آپ نے اتنا ہی کہا کہ اچھا تو جاؤ ڈوب مرو۔ شہزادی بگڑتی، جھنجلاتی واپس ہوئی۔ جا کے چھپر کھٹ پر بیٹھی ہی تھی کہ چھپر کھٹ آناً فاناً میں زمین میں دھنس گیا اور شہزادی بھی اس کے ساتھ زمین دوز ہو گئی۔ اس حادثے کے پیش آتے ہی محل میں کہرام مچ گیا۔ آہ و فغاں سے زمین آسمان کو ہلا مارا۔ سلطان نصیب شاہ اپنے احباب میں بیٹھا اپنی دلچسپیوں میں مشغول تھا۔ جیسے ہی اس کو یہ خبر پہنچی دوڑا دوڑا آیا۔ حال احوال معلوم کیا۔ سمجھ گیا کہ یہ ادبار کا پیش خیمہ ہے کیونکہ کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ بابر بادشاہ کی اطاعت قبول کر کے اس نے اس کے عزم یورش سے چھٹکارہ پایا تھا۔ یہ نیا شگوفہ کھلا تو غور و فکر سے اس نتیجے پر پہنچا کہ معذرت کی جائے تاکہ آیندہ کے لیے اطمینان حاصل ہو جائے اپنے وزیر کو بلایا اور کہا کہ میرے ہاتھ باندھو اور مجرموں کی طرح مجھے قادر قمیصِ اعظمؒ کی خدمت میں پیش کرو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور یہ بھی کہا کہ میں اپنی دوسری بیٹی کو آپ کی خدمت کے لیے پیش کرتا ہوں جو بہت ہی سعادت مند ہے۔ آپ قبول فرما لیجیے۔ مگر غالباً ذہن میں بقائے سلطنت کا وسوسہ بھی تھا مگر اولیاء اللہ

خداوند قدوس کے نور کی روشنی سے وہ جو کچھ دیکھ لیتے ہیں جو مادّی آنکھیں دیکھ ہی نہیں سکتیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ (ترمذی شریف)	مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

حضرت قادر فیض اعظمؒ نے اس وسوسے کو تاڑ لیا دیکھ لیا اور سمجھ لیا۔ فرمایا تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ نکلا تیر واپس نہیں آتا۔ تمھاری بادشاہت کا دور گزر چکا ہے۔ اللہ پاک نے کسی اور کو متعین فرمادیا ہے۔ سلطان نصیب شاہ یہ جواب سن کر دم بخود رہ گیا اور چلا گیا۔ اندیشہ ہوگا کہیں کچھ اور نہ کہہ دیں لیکن قرائن یہ بتاتے ہیں کہ حاشیہ نشینوں نے ورغلایا ہو کہ شہزادی کو تو زندہ درگور کر ہی چکے ہیں۔ اب سلطنت کے لیے بری فال موتھ سے نکالی ہے اس کا کچھ نہ کچھ تدارک ہونا چاہیے مگر لیا ہونا چاہیے۔ نہ تو بیوی سے یہ کہنا جرم بنتا ہے کہ جاؤ ڈوب مرو۔ کہہ ہی دیتے ہیں۔ اگر وہ ڈوب مرتی تو کسی نہ کسی طرح جرم قرار دیا جاتا۔ وہ تو آفتِ ناگہانی کی بھینٹ چڑھی۔ قاضی بھی کیا فیصلہ دیگا۔ وہ تو روشن ضمیر ہیں اور ہمارے قلبی خطرات سے آگاہ ہیں۔ انھوں نے یہ بھی تو کہا ہے:۔

یک حجرہ برائے من مقرر کنید کہ دروازۂ آں حجرہ از خشت و گِل مسدود کنید۔ و برائے آمد و شدِ آب جہتِ وضو تا بہ ان بدارید و برو ید و بکار خود مشغول شوید (خوارقات ص ۱۰)	ایک حجرہ (کوٹھری) میرے لیے مقرر کردو اور اس کا دروازہ اینٹ مٹی سے بند کردو۔ البتہ ایک روشن دان وضو کے واسطے پانی لینے دینے کے لیے رکھ دو اور چلے جاؤ۔ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔

حجرہ نشینی

یہی کر دیا گیا۔ لیکن جو ہونا تھا ہو کر ہی رہا۔ آپ تو حجرے میں مقید ہو بیٹھے۔ آپ نے جو یہ کہا تھا کہ ایں ملک از شارفت حق سبحانہ تعالیٰ بادشاہی بہ دیگرے تفویض فرمود (خوارقات ۱۰) تو چند روز بعد ہی سلطان نصیب شاہ فوت ہوگیا اس کے بعد اس کا بیٹا فیروز شاہ تخت نشین ہوا دو چار مہینے میں وہ بھی

فوت ہو گیا۔ نصیب شاہ کی اولاد میں اور کوئی نہ تھا جو تخت نشین ہوتا البتہ بادشاہی نصیب شاہ کے بھائی محمود شاہ کو منتقل ہو گئی اور انجام کار شیر شاہ سوری نے بنگال کو فتح کر لیا۔ اور بادشاہی اس خاندان ہی میں نہ رہی۔ اور خاندان بھی تتر بتر ہو گیا۔

حدیث قدسی ہے:۔

حدیث قدسی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهٗ عَلَیْهِ وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعَهُ اُحِبَّهٗ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْثِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ کَذَا فِی الْمِشْکٰوةِ۔ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو بھی میرے ولی کا دشمن ہے میں کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے لڑے۔ میرے بندے نے اس فرض کے ادا کرنے کے سوا جو میں نے اس پر فرض کیا ہے اس سے بڑھ کر کسی اور ایسی چیز سے جو مجھے بہت ہی عزیز ہے میرا تقرب حاصل کرتا رہا ہے حتیٰ کہ میں اس کو اپنا بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا بنا لیتا ہوں تو پھر میں ہی اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں ہی اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے میں ہی اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔ آخر حدیث تک۔ (صحیح بخاری ومشکوٰۃ)

الغرض جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ بھی اس کا ہو جاتا ہے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰهِ کَانَ اللّٰهُ لَهٗ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

وَفُؤَادَهُ الَّذِیْ یَعْقِلُ بِهٖ

میں اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے

وَلِسَانَهُ الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ بِہٖ۔ وہ سوچتا سمجھتا ہے اس کی زبان بن جاتا ہوں۔
(شرح مشکوٰۃ) جس سے وہ بولتا ہے۔

مراد یہ ہے کہ جو طلب رضائے الٰہی میں محو و مستغرق رہتا ہے اس کا عزم و ارادہ مشیئتِ ایزدی میں فنا ہو جاتا ہے اور وہ معمول بن کر رہ جاتا ہے۔ وہی بات اس کے دل میں آتی ہے جو مشیئتِ ایزدی میں ہوتی ہے اس کی زبان سے وہی بات نکلتی ہے۔ جس میں رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ بلکہ وہی کہتا ہے جو اللہ پاک اس سے کہلاتے ہیں۔ یہی تو حضرت مولانا روم ؒ نے فرمایا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ذاتی خواہش و طلب کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب بندہ طلب رضائے الٰہی میں اس مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے تو اس سے مافوق الفطرت امور ظہور میں آتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے اس وصف کو معجزہ کہتے ہیں اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس وصف کو کرامت کہتے ہیں۔ اور معجزہ و کرامت کا سرچشمہ دراصل یہی حدیثِ قدسی ہے۔ امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کا مشہور واقعہ ہے۔ جسے مورخین و مفسرین نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد نبوی مدینہ منورہ میں خطبہ دے رہے تھے دورانِ خطبہ میں فرمایا یَا سَارِیَۃَ اَلْجَبَلْ یَا سَارِیَۃَ اَلْجَبَلْ۔ سب کو حیرت ہوئی اس لیے کہ مضامینِ خطبہ سے اس جملے کا ذرا بھی تعلق نہ تھا مگر صورتِ حال یہ تھی کہ حضرت ساریہ صحابیؓ مصر کے کوہستانی علاقے میں قبطیوں سے لڑ رہے تھے۔ قبطیوں نے اپنا ایک لشکر پہاڑ میں چھپا رکھا تھا اور ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم لڑتے لڑاتے بھاگ کے پہاڑ کے پیچھے چلے جائیں گے۔ اسلامی لشکر ہمارا پیچھا کرے گا۔ لہٰذا جب وہ پہاڑ کے پیچھے پہنچ جائے تو تم نکل کر پیچھے سے حملہ کرنا ہم بھی پلٹ پڑیں گے۔ دونوں طرف سے اسلامی لشکر کو گھیر کر صفایا کر دیں گے۔ لہٰذا جب قبطی بھاگے اور پہاڑ کے پیچھے چلے گئے تو حضرت ساریہؓ نے جیسے ہی لشکر اسلام

کو پہاڑ کے پیچھے جانے کا حکم دینا چاہا تو انھوں نے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی آواز سنی۔ متنبہ ہوئے اور لشکر کو ہدایت دی کہ پہلے قبطیوں کو پہاڑ میں تلاش کریں۔ لشکر نے پہاڑ کا رخ کیا اور چھپے ہوئے قبطی لشکر کا خاتمہ کر دیا۔ پھر اس لشکر کا مقابلہ کیا جو پہاڑ کے پیچھے جا جمع ہوا تھا اور شکست دی (الفاروق و تفسیر مظہری)

اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مبارک آنکھوں کو اللہ پاک نے ایسا وصف عنایت فرمایا تھا کہ انھوں نے کالے کوسوں دور میدانِ جنگ کو اس طرح دیکھ لیا جس طرح نزدیک کی چیز کو دیکھا جاتا ہے۔ آواز میں اللہ پاک نے وہ توانائی عنایت فرمائی کہ وہ حضرت ساریہؓ کے مبارک کانوں میں جا پہنچی قلب و فواد کو یہ خوبی عنایت فرمائی کہ آپ نے سمجھ لیا کہ پہاڑ میں روپوش قبطی لشکر سے نمٹ لیا جائے اور یہی کامیابی اور فتحیابی کا موجب بنا حضرت ساریہؓ کے مبارک کانوں کو یہ وصف عنایت فرمایا کہ انھوں نے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی مبارک آواز کو سن لیا اور پہچان لیا بلا پس و پیش اس پر عمل کیا اور فتحیابی سے سرخروئی حاصل کی۔ اس حدیثِ قدسی سے یہ حقیقت آئینہ ہے کہ کراماتِ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا سرچشمہ یہی ہے کہ بندہ رضائے الٰہی میں فنا ہو جائے اور یہ بھی ہے کہ جو کچھ ظہور میں آتا ہے اس سب کا خالق اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔ بندہ صرف وسیلۂ اظہار ہے اور کچھ بھی نہیں۔ اللہ پاک قادرِ مطلق ہے۔ وہ جس سے جو کام لینا چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ مگر وہ انسان جس کے قلب پر دنیاوی کدورتوں کے پردے پڑے ہیں وہ معمول کو عامل سمجھتا اور غلط سمجھتا ہے اور نادانی سے انکار کا مرتکب ہوتا ہے۔ کسی نے خوب سمجھا اور خوب کہا ہے ؎

آپ کے ہاتھوں میں سارا کام ہے
آپ کہتے ہیں جہاں کا نام ہے

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس حدیث قدسی کی برکت سے کراماتِ اولیاء اللہ کی حقیقی کیفیت بھی دل نشین ہو جاتی ہے اور اولیاء اللہ کی عظمت اور برگزیدگی سے ایک گونہ آگاہی بھی نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ منتخب ترین بندگانِ خدا ہوتے ہیں کہ اگر کوئی ان سے

...ہوتا ہے تو اللہ پاک اذن فرماتے ہیں کہ تو آؤ مجھ سے لڑ لو۔ تمہارا سب ... نکالے دیتا ہوں۔ یہی مہر و شفقت کا اقتضا ہے کہ جو اللہ کی رضا میں جان کو جان نہ سمجھیں ان کی لاج رکھی جائے۔

کرامات قمیصی

یہ انتہائی افسوسناک حادثہ ہے کہ زائد از چہار صد سالہ مدت میں حضرت قادر قمیص اعظمؒ پر کوئی جامع کتاب وجود میں نہیں آئی جو سیرت و اعمال و اذکار پر مشتمل ہوتی بالفرض محال اگر آئی بھی ہے جس کا ذکر بھی نہیں ملتا تو وہ دست برد زمانہ سے محفوظ نہیں رہی اور ہم تک نہیں پہنچی۔ یہ واقعہ حضرت والا کے مریدوں معتقدوں اور اولادِ پاک نہاد کے لیے لائق ندامت ہے۔ اگر متعدد اشخاص تھوڑا تھوڑا بھی لکھتے تو قطرہ قطرہ بہم میشود دریا۔ آپ کے حالات و تعلیمات اور اشغال و اعمال سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب ہوتی۔ لے دے کے چھوٹی سی کتاب خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ کا قلمی نسخہ ہے جو ۵۳ صفحات پر مشتمل ہے وہ بھی کنجِ خمول میں پڑا ہوا ہے۔ آج تک بھی اس کا متن شائع نہیں ہوسکا ہے۔ اس سرد مہری کا بھی جواب نہیں ہے۔

شیخ بدر الدین سہرندی مصنف حضرات القدس نے حاکم سہرند کے ایماء سے ۱۰۵۸ھ میں تذکرہ مجمع الاولیاء مرتب کیا تھا۔ جو ایک ہزا ر پانسو بزرگوں کے احوال کا جامع بتایا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ شیخ بدر الدین سہرندی کے والد بزرگوار شیخ ابراہیم سہرندی حضرت قادر قمیص اعظمؒ کے مرید تھے۔ انھیں خاطرِ خواہ معلومات دستیاب ہوئی ہونگی اور انھوں نے بہت خوب لکھا ہوگا۔ مگر اتفاقاتِ زمانہ سے تذکرہ مجمع الاولیاء نایاب ہے۔ میں نے اس توقع پر ذکر کردیا ہے کہ کسی کی تحویل میں ہو۔ اور وہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کے احوال سے آگاہی بخشے اور ہم ان کی مزید خوارق و کرامات اور ان کے مؤثر اعمال و اشغال اور طریقِ ہدایت سے روشناس ہوسکیں اور ان کی اتباع سے آخرت سُدھرے۔

حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کی کرامات کا مطالعہ حضرت والا کی اعلیٰ صفات شخصیت کی نمایندگی بھی کرتا ہے۔ اور مطالعہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت والا

کے خوارق و کرامات حدیثِ قدسی سے عین مطابق اور پرتوِ اوصافِ الٰہی کی جلوہ گاہ ہیں۔ لہٰذا مشتے از خروارے معدودے چند کو نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے۔

(۱) ابتدائے حال ہی میں ذکر ملتا ہے جو نوعمری ہی کا واقعہ ہے کہ جب بنن اصیب شاہ زمین دوز ہو چکی اور نصیب شاہ بقائے سلطنت کے وسوسے کو لیے ہوئے معذرت خواہ بن کر آیا تو آپ نے خداوندِ قدوس کی بخشی ہوئی بینائی سے مستقبل کے احوال کو دیکھ کر بتا دیا کہ ایں ملک از شمار رفت حق سبحانہ تعالیٰ بادشاہی بہ دیگرے تفویض فرمود (خوارقات) واقعات شاہد ہیں کہ وہی کچھ ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔ اگر نصیب شاہ بقائے سلطنت کے علاوہ طلب ہدایت کا جذبہ لے کر آتا اور آپ سے راہنمائی حاصل کرتا تو چاہے ملکِ بنگالہ ہاتھ سے جاتا رہتا۔ قادرِ مطلق اسے اس سے بہتر ملک کی بادشاہت عنایت فرماتا۔ قادرِ مطلق قادرِ مطلق ہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بہرحال یہ کرامت جزوِ حدیث بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ کے عین مطابق ہے اور اس کرامت کے حق ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ نوعمری ہی میں روحانیت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو گئے تھے۔

(۲) ایسا ہی واقعہ وہ ہے جو آپ نے بروقت ملاقات ہمایوں بادشاہ کو بتایا کہ آپ نے دریا کنارے باہم مشورہ کر کے اللہ پاک سے یہ عہد کیا تھا کہ آپ ہندوستانی قیدیوں کو چھوڑ دیں گے۔ اور آپ کا یہ عہد بارگاہِ خداوندِ قدوس میں مقبول ہو گیا ہے لہٰذا آپ ہندوستانی قیدیوں کو چھوڑ دیں۔ (خوارقات) بادشاہ یہ سنتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا اور بہت ہی ادب سے پیش آیا اور اعتراف کیا کہ بیشک یہی عہد کیا تھا جو فراموش ہو گیا تھا۔ بہرحال ہندوستانی قیدیوں کو اس نے چھوڑ دیا۔

یہ کرامت کئی اوصاف کا مجموعہ ہے۔ دیکھنا۔ سننا۔ باہم مشورہ کرنے سے آگاہ ہونا گویا کہ آپ اس تخلیے میں تشریف فرما تھے۔ اگر وہاں موجود نہیں تھے تو خداوندِ قدوس نے اپنے فضل و کرم سے آگاہی بخشی۔ لہٰذا اس مجموعہ اوصافِ کرامت کو الہام سے تعبیر کرنا ہوگا۔ جس سے یہ واضح ہے کہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ صاحب الہام بزرگ تھے

اور انسانیت دوست بھی تھے۔ آپ کا عمل اس حدیث پر تھا لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَّا یَرْحَمُ النَّاسَ (بخاری و مسلم) جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا بھی رحم نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ نے ہُمایوں بادشاہ سے یہ نہیں کہا کہ مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دو بلکہ یہ فرمایا کہ ہندوستانی قیدیوں کو چھوڑ دو اس زمانے میں سندھ اور پنجاب بھی ہندوستان ہی میں شامل تھا اب علیٰحدہ ملک ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے آپ کا مبارک ذہن انسانیت کے نقطۂ نظر سے ہندو مسلم تفریق سے بالاتر تھا اور آپ دو قومی نظریے کے قائل نہیں تھے۔

(۳) مرزا حاتم بیگ بہت بڑے تاجر تھے۔ جو مالِ تجارت ملک در ملک لے جاکر فروخت کیا کرتے تھے۔ وہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کے مرید بھی تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ مرزا حاتم بیگ نے اپنا مالِ تجارت جہاز پر لدوایا۔ جہاز کنارے سے چلا اور جیسے ہی بیچ سمندر میں پہنچا بھنور میں گھر گیا اور ڈوبنے لگا۔ بلکہ خاصا کچھ ڈوب گیا تھا کہ مرزا حاتم بیگ نے آپ کو یاد کیا غالبًا ندائے غائبانہ سے کام لیا آپ کو الہامِ غیبی سے اطلاع ملی تو آپ تشریف لے گئے اور جہاز کو بھنور سے نکال دیا اور وہ صحیح سلامت منزلِ مقصود کو جا پہنچا۔ حدیثِ قدسی کے تین مبارک جملے (۱) رِجْلُهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا (۲) یَدُہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا اور سَمْعُهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ بتا رہے ہیں کہ یہ خرقِ عادت ان ہی اوصاف کی جلوہ گری سے مزین ہے۔ آپ کا مرزا حاتم بیگ کی دلی آواز کو سن لینا سَمْعُهُ الَّذِیْ سے متصف ہے اور ایسی صبا رفتاری سے جہاز تک جا پہنچنا جسے رِجْلُهُ الَّتِیْ سے تعبیر فرمایا ہے اور جہاز کو اس قوتِ بازو سے بھنور سے نکالنا اور راہِ راست پر لالگانا یَدُہُ الَّتِیْ کا کرشمہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اوصاف کمالاتِ باطنی آئینہ دار ہیں۔ جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کے برادر نسبتی (سالے) سید عبد اللہؒ اکبری لشکر کے ساتھ دکن گئے اور لشکر نے برہان پور پر چڑھائی کی خوب ہی رن پڑا۔ اکبری لشکر محاصرے میں آگیا۔ چھٹکارے کی ذرا بھی امید نہیں رہی تو سید عبد اللہؒ نے ندا کی یا شاہ قادر قمیصِ اعظم وقتِ امداد است۔ یہ ندا سنتے ہی بپائے صبا رفتار آپ میدانِ جنگ میں پہنچے اور

الٰہی قوت دست و بازو سے مدد فرمائی اور جنگ کا پاسا پلٹ دیا۔ اکبر شاہی لشکر کو فتح نصیب ہوئی اور مخالف نے شکست کھائی سید عبداللہؒ کو بھی رہائی ملی۔ اس کرامت میں چار اوصافِ حدیث جلوہ گر ہیں (۱) سَمْعُهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ (۲) رِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا (۳) يَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا (۴) اِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهٗ آپ نے بہ توفیقِ الٰہی سید عبداللہؒ کی ندائے غائبانہ کو سن لیا۔ خداوندِ قدوس کی عطا فرمودہ قوت سے بہ پائے صبا رفتار محاذِ جنگ پر پہنچ گئے اور قوتِ عطیۂ خداوندی سے اپنے دست و بازو سے وہ کام لیا کہ لڑائی کا پاسا پلٹ گیا۔ یہ بھی یقینی ہے آپ نے بارگاہِ خداوندی میں فتحیابی کے لیے دعا فرمائی ہوگی جو اوصافِ درویشی کا لازمہ ہے وہ مستجاب ہوئی اور کامل فتح حاصل ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ انسان ضعیف البنیان ہیچ میچ ہے۔ مگر جس کو رب العالمین اپنا لیں وہ ذرّہ نہیں آفتاب ہے۔ اس کے عطائی اوصاف سے انکار کرنا قادرِ مطلق کی صفتِ قادریت سے انکار کرنے کی مصداق ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔

(۵) اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ جو میرے ولی کا دشمن ہے میں اِذن دیتا ہوں کہ لڑے۔ اور دیکھ لے کہ کیا دُرگت بنتی ہے شہزادی نے غرور و تمکنت سے حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ سے بدکلامی کی۔ اور سمجھائے نہ سمجھی اس نے اپنے کیے کا خمیازہ بھگتا کہ پیوندِ زمین ہو کر رہ گئی اور باپ دادا کی عزت خاک میں ملا دی۔ یہ واقعہ عبرت ناک بھی ہے اور سبق آموز بھی ہے۔ ایسے واقعات متعدد ملتے ہیں کہ جس نے اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے سرتابی کی وہ قعرِ مذلت میں پڑ کر ہی رہا۔ شیخ الاسلام نجم الدین صغرا، شیر خان برادر سلطان غیاث الدین بلبن اور سلطان قطب الدین خلجی کو ایسا ہی کچھ خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔ تاریخ کے اوراق اس کے شاہد عادل ہیں۔ اس واقعہ سے بھی یہ حقیقت روشن ہے کہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ نو عمری ہی میں بہت کچھ منازل سلوک طے فرما چکے تھے اور وہ کسی ہمعصر کے محتاج نہیں رہے تھے۔

توکّل علی اللہ

حجرہ نشینی کا واقعہ شاہد ہے کہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ توکّل علی اللہ میں بھی ممتاز تھے اور کوئی معاصر درویش آپ کا ہم پلہ نہیں تھا۔ آپ کو

اس ارشاد خداوندی پر ایسا یقین تھا کہ اس عہد میں اس کی نظیر نایاب و نادر تھی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا
وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ
لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا[1]

(الطلاق۔ پارہ ۲۸)

اور جو کوئی بھی اللہ سے ڈرتا ہے (اللہ کے ڈر سے برے کاموں سے بچتا اور نیک کاموں میں مشغول رہتا ہے) تو اللہ پاک اس کے لیے (سہولت کی) راہیں کھول دیتا ہے (مشکلات میں مبتلا نہیں رکھتا) اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عنایت فرماتا ہے کہ جہاں گمان کی بھی رسائی نہیں ہوتی۔ اللہ پاک اس کے لیے کافی ہے جو اللہ پاک پر بھروسہ رکھتا ہے۔ اللہ پاک جس طرح چاہتا ہے کام کو سرانجام فرماتا ہے اللہ پاک کو ہر چیز کا علم و اندازہ ہے۔

اسی یقین اور اسی توکّل علی اللہ کا کرشمہ تھا کہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ نے نصیب شاہ اور اس کے حوارئین کی ذہنیت کے پیشِ نظر بے تکلف یہ فرما دیا تھا کہ میرے لیے ایک کوٹھری مقرر کر دو اور اس کا دروازہ اینٹ مٹی سے بند کر دو۔ البتہ ایک روشن دان رکھ دو جس سے وضو کے لیے پانی لیا دیا جا سکے۔ یہ بھی اتباعِ شریعت میں فرمایا کہ خود اختیاری تجویز کے باوجود فرائض و سنن وضو سے ادا ہوں کیونکہ وضو شرائطِ نماز سے ہے لہٰذا اگر ایسا نہیں کیا تو ذمہ داری نہ کرنے والوں پر رہے گی۔ خدا ہی عالم الغیب ہے کہ انھوں نے

---

[1] حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی ہر فرض نماز کے بعد بسم اللہ کے ساتھ تین بار قل ہو اللہ شریف ایک بار الحمد شریف اور تین بار درود شریف پڑھ کے ان آیات کو پڑھے اور آسمان کی طرف دَم کرے تو وہ تین نعمتیں پائے گا۔ (۱) درازیٔ عمر (۲) مال کی زیادتی (۳) مقاصد میں کامیابی حتیٰ کہ جنت نصیب ہو گی۔ اس عمل سے تنگ دستی اور مالی مشکلات بہت جلد رفع ہو جاتی ہیں۔ آزمودہ عمل ہے۔

انھوں نے کیا دیا کیا نہیں دیا۔ لیکن اللہ پاک پر کامل بھروسے کا ثمرہ ظاہر ہے کہ آپ زندہ سلامت رہے اور یَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کے مطابق یقیناً آپ کے لیے سہولت کی راہیں کھول دی گئی ہوں گی اور آپ کو خزانۂ غیب سے رزق ملتا رہا ہوگا۔ جو دنیاوی رزق سے کہیں اعلیٰ و افضل ہوگا۔ اسی کا ادنیٰ کرشمہ اس آزوقہ کو قرار دیا جا سکتا ہے جو دریائی عبادت کے دوران آپ کے حلقہ بگوش خادموں کو ملتا رہا تھا۔ اس واقعہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ نوعمری ہی میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے تھے اور یہ والد بزرگوار کی تربیت اور وہبی صلاحیت اور وراثتی اوصاف کا ثمرہ تھا۔ حضرت خواجہ گیسو دراز بندہ نواز سید محمد حسینیؒ کا ارشاد ہے:

"صحابۂ کرام میں جس قدر کرامتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ و رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں اتنی کسی اور صحابی سے منقول نہیں ہیں۔" (جوامع الکلم)

حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کا کراماتی وصف بھی جدّی اوصاف ہی سے علاقہ رکھتا ہے اس کے علاوہ مجاہدات سے مادّی کثافت رفع ہوتی اور روحانی قوت تقویت پاتی ہے۔ اور جب رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ یہی تو ہوا کہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ایما سے روشن دان کی راہ باہر نکل آئے اور کانوں کان بھی کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ اللہ پاک ہر شے پر قادر ہے اور اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنے اوصاف سے متصف فرماتا ہے۔ اور عجائباتِ قدرت ظہور میں آتے ہیں۔

دریائی مجاہدہ حضرت قادر قمیص اعظمؒ حجرے سے باہر نکلنے کے بعد شہر میں یا اعزا و اقارب میں نہیں گئے بلکہ دشت و دریا کی راہ لی۔ دریا میں کھڑے رہ کر ادعیہ ماثورہ اور اسمائے حُسنہ باری تعالیٰ کا ورد فرمایا۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (اعراف پارہ ۹) اچھے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں ان ہی سے اللہ کو یاد کرو۔ آیت مبارکہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء پارہ ۱۷) کو حدیث میں

لہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بالاتفاق اسم اعظم ہے۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ وَاسْتَغْفِرُكَ پڑھتے رہنے سے تمام مشکلات سے جلد چھٹکارہ ملتا ہے مرادیں بر آتی ہیں اور آخرت بھی سدھر جاتی ہے۔

اللہ پاک کا اسمِ اعظم بتایا ہے۔ اس کے ورد سے مشکلات سے نجات حاصل ہوتی ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی یہ دعا کیا کرتے تھے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَلَكَ بِهٖ نَفْسَكَ وَاَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابٍ اَوْعَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ اِسْتَاثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمُ الْغَيْبِ عِنْدَكَ (متفق علیہ)	اے اللہ! میں آپ سے دعا مانگتا ہوں آپ کے ہر اس نام کے ساتھ جو آپ نے اپنے لیے مقرر فرمایا ہے اور اس کو کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے۔ یا آپ نے اپنے علمِ غیب میں محفوظ رکھا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء کی تعداد معین نہیں ہے بکثرت اسماء ہیں۔ توراتِ مقدس میں ایک ہزار اور انجیل مقدس میں پانسو اور زبورِ مقدس میں تین سو نام نازل ہوئے ہیں۔ ایک ہزار نام ایسے ہیں جو صرف اللہ پاک ہی کے علم میں ہیں۔ ننانوے نام قرآن پاک وحدیث لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہیں حدیث شریف میں ہے:

اَسْمَآءُ اللّٰهِ تَعَالٰى الْحُسْنٰى الَّتِیْ اُمِرْنَا بِالدُّعَآءِ بِهَا تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (بخاری ومسلم وترمذی)	اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ننانوے 99 ہیں۔ جن کے ساتھ ہمیں دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو انھیں یاد کرلے گا وہ جنّت میں جائے گا۔

دعا کی اہمیت اس سے بھی واضح ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے :۔

لَيْسَ شَیْءٌ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَآءِ (ترمذی، ابن ماجہ)	اللہ پاک کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی معزز ومکرم چیز نہیں ہے۔

اور بھی فرمایا :۔

مَنْ فُتِحَ لَهٗ فِی الدُّعَآءِ مِنْكُمْ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْاِجَابَةِ (ابن ابی شیبہ عن علیؓ وابن عمرؓ)	جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل جاتا ہے یعنی جو دعا مانگنے لگتا ہے اس کے لیے مقبولیتِ دعا کے دروازے بھی کھول دیے

جاتے ہیں۔

حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ عالمِ دین تھے اور دعا کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے دعائے سیفی حرزِ یمانی اور حرزِ کافی وغیرہ ادعیہ کی مواظبت کی اور اسمائے حُسنیٰ کو بھی حرزِ جان بنائے رکھا جن کے ساتھ دعائیں مانگنے کا حکم ہے۔ جب مطمئن ہو گئے تو عتباتِ عالیات کی زیارت کا عزم فرمایا۔ اس اثنا میں یہ بھی ہوا کہ چند اشخاص آپ کی ریاضت سے متاثر ہو کر آپ کے مرید ہو گئے اور آپ کے ساتھ ہی رہنے لگے۔ انھیں بھوک لگتی اور وہ آپ سے عرض کرتے تو آپ ایک طرف اشارہ کر دیتے۔ یہ اس طرف جاتے دریا سے ایک ہاتھ نکلتا اور انھیں کچھ پھل دیدیتا۔ وہ انھیں کھاتے اور سیر ہو جاتے تھے۔

حرمینِ شریفین

حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ بیت اللہ اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کو تشریف لے گئے اور اور زیارت سے سعادت اندوز ہوئے۔ صاحبِ خوارقات نے لکھا ہے کہ آپ نے سات حج کیے۔ عمرے بھی خوب کیے ہوں گے اور آثار و عتباتِ مکۂ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے بھی مشرف ہوئے ہوں گے۔ بارگاہِ بیکس پناہ افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ کے روبرو کھڑے ہو کر خوب خوب عرض و معروض کی ہوگی اور خوب ہی دعائیں مانگی ہوں گی۔ انجامِ کار رخصت ہو آئے ہوں گے۔

بغداد شریف

زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فارغ ہوئے تو جدِ بزرگوار حضرت پیران پیر دستگیر محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی قدس اللہ سرہٗ العزیز و رضی اللہ عنہ کے مزارِ پُرانوار کی زیارت کے لیے بغداد شریف پہنچے اور زیارت سے سعادت اندوز ہوئے صاحبِ خوارقات نے ان مبارک اسفار کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

بہ زیارتِ حرمین شریفین | آپ حرمین شریفین کی زیارت

زادہم اللہ تعالیٰ شرفہما رفتہ ہفت حج
کردند۔ از حج فارغ شدہ از مدینہ منورہ
در بغداد تشریف آوردند۔ وزیارتِ
جدِ بزرگوارِ خود حضرت پیر ودستگیر
قطبِ ربّانی محبوبِ سبحانی سید محی الدین
ابو محمد عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ
العزیز حاصل نمودند وچلّہ فرمودند۔
بعضے گویند کہ چند روز بعضے گویند کہ
شش ماہ اقامت فرمودند بعدہٗ
رخصتِ ہندوستان فرمودند۔
(خوارقات ۱۲-۱۳)

(اللہ پاک ان دونوں باعظمت مقامات
کی بزرگی میں اضافہ فرمائے) کو تشریف
لے گئے۔ سات حج کیے جب حج سے
فارغ ہوئے تو مدینۂ طیبہ سے بغداد
تشریف فرما ہوئے اور اپنے جدِ بزرگوار
پیر دستگیر محبوب سبحانی قطبِ ربانی سید
ابو محمد عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ
العزیز کی زیارت سے مشرف ہوئے
اور چلّہ کیا۔ بعضے کہتے ہیں کہ چند روز
قیام فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ چھے مہینے
قیام فرمایا۔ پھر ہندوستان کے لیے رخصت ہوئے

مراجعتِ ہند

آپ بغداد شریف سے رخصت ہوئے مگر اپنی منشاء سے نہیں بلکہ اپنے جدِ بزرگوار حضرت پیران پیر دستگیرؒ کے ایماء سے رخصت ہوئے کہ آپ کو عالمِ سِر میں یہ ہدایت ملی کہ ہندوستان جاؤ۔ ساڈھورہ تمہارا مستقر ہے۔ یعنی تمہارا مقامِ ولایت ہے۔ وہیں طالبانِ حق کی رہنمائی کرو۔ یہ بھی فرمایا کہ تم جہاں بھی رہو گے وہی تمہارے لیے بغداد ہے۔ یعنی تمھیں وہاں بھی وہی فیوض و برکات حاصل رہیں گے جو یہاں متوقع ہیں۔ یہ بھی راہنمائی فرمائی کہ پانی بھرا آفتابہ (لوٹا) آپ کو عنایت کیا اور فرمایا کہ اسی میں سے پانی خرچ کرتے رہنا۔ جہاں اس کا پانی ختم ہو جائے وہی مقام ساڈھورہ ہے۔ ممکن ہے کہ عالمِ ظاہر میں بھی مردانِ غیب میں سے کسی نے وہ آفتابہ نذر کر دیا ہو۔ بہرحال آپ بغداد شریف سے رخصت ہوئے لیکن یقین کے ساتھ آج یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ آپ نے خشکی کی راہ قطع مسافت فرمائی یا سمندر کی راہ یا وہبی پرواز سے کارفرما ہوئے البتہ قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ خشکی کی راہ ہندوستان

پہنچے۔ صاحب خوارقات لکھتے ہیں :-

چوں وے از حضرت رخصت شدہ بہ ملک دکھن و پورب بطریق سیر می آمد۔ بعبادت در یاضت مشغول می بودندے۔ جائے کہ خوش آمد چلّہا می کردندے۔ ہمیں طور در اجمیر رسیدہ زیارت حضرت قطب الاقطاب خواجہ معین الدین ہند الاولیائے چشت حاصل نمودہ۔

(خوارقات ۱۳)

جب آپ بارگاہ پیران پیر دستگیرؒ سے رخصت ہوئے تو بطور سیاحت سمتِ دکھن اور پورب کے شہر و دریا سے گزرے اور عبادت و ریاضت میں بھی مشغول رہے اور جو جگہ دل پسند ہوتی وہاں قیام فرما بھی ہوتے اور چلّے کرتے۔ اس طرح (عبادت و ریاضت کرتے) آپ اجمیر شریف پہنچے اور قطب الاقطاب خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین ہند الولی کی زیارت سے سعادت اندوز ہوئے۔

اس بیان سے ایسا لگتا ہے کہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ دریائے سندھ کو عبور فرما کر ہندوستان میں داخل ہوئے اور علاقۂ منصورہ یا ملتان سے سیدھے دکھن (جنوب) کی سمت چلے اور راجستان جا پہنچے اور وہاں سے پورب یعنی مشرق کی سمت چلے اور اجمیر شریف پہنچ گئے۔

اجمیر شریف | اجمیر شریف میں ہند الولی نائب رسولؐ اللہ فی الہند خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری (س ن ج ر ی) کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے۔ اور اجمیر شریف کی کسی پہاڑی (کوہچہ) پر چلّہ کیا۔ تعجب نہیں کہ کوہِ سدا بہار پہاڑ ہی پر چلّہ کیا ہو کہ جہاں خواجہ بزرگؒ ابتداءً قیام پذیر ہوئے تھے اور وہ مقام خواجہ بزرگؒ کے چلّہ ہی کے نام سے مشہور ہے۔ اسی میں جھیل اناساگر ہے۔ بارگاہ خواجۂ بزرگ میں آپ کو دستارِ سبز سے نوازنا بھی چاہا تھا جیسا کہ خصوصی عقیدتمندوں کو نوازا جاتا ہے مگر آپ نے یہ معذرت فرمائی :-

بر سر کلاہِ قادری دارم۔ ترکِ آں

میں قادری ٹوپی اوڑھے ہوئے

کنم (اگر) بر کلاہِ قادری دستارِ دیگر بستم۔ بزہ کار شوم۔ از غیرتِ قادریہ می ترسم (خوارقات ۱۴۳)

ہوں (اگر) میں نے اس پر کوئی اور دستار باندھ لی تو میں بے ادب ٹھہروں گا۔ خطاکار ہوں گا۔ میں غیرتِ قادریہ سے ڈرتا ہوں۔

الغرض آپ اجمیر شریف سے ساڈھورہ کے لیے رخصت ہوئے۔ پورب (مشرق) کی سمت چلے راہ میں ہاتفِ غیبی نے راہنمائی کی کہ از دہلی بہ طرف کوہ بروید کہ در دامنِ کوہ قصبۂ ساڈھورہ است (خوارقات ۱۴۱) دہلی سے پہاڑ کی طرف چلیے دامنِ کوہ ہی میں قصبۂ ساڈھورہ ہے۔ دہلی اجمیر شریف سے جانب شمال ہے اور شمال مشرق میں سلسلۂ کوہ ہمالیہ ہے۔ لہٰذا آپ نے شمال کی راہ لی اور دہلی سے گزرتے ہوئے گنگوہ (ضلع سہارن پور) پہنچ گئے۔

گنگوہ گویا کہ آپ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے درِ دولت ہی پر جا پہنچے۔ آپ نے محسوس کیا کہ یہاں کوئی مردِ باخبر بھی ہے یعنی کوئی کامل درویش بھی ہے یہاں طالبِ حق بھی ہوں گے جو تربیت سے انسانِ کامل ہو جائیں گے۔ یہاں پنکھے کی سی خوشگوار ہوا بھی آتی ہے۔ دورانِ سفر میں آپ کی روش مستقل طور پر یہ رہی کہ آپ جہاں بھی طالبانِ حق پاتے وہاں قیام فرماتے چلہ کرتے اور ان کی راہنمائی فرماتے۔ گنگوہ شریف کے حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے ممکن تھا کہ کچھ دنوں زیادہ قیام فرماتے مگر یہاں عجیب ہی اندوہناک حادثہ پیش آیا۔ صاحب خوارقات رقمطراز ہیں:۔

این خبر بہ شیخ قطبِ عالم حضرت پیرِ دستگیر شاہ عبدالقدوسؒ رسید و می فرمایند۔ شیخ عبدالقدوس را بہ طلبید۔ حضرت (شیخ عبدالقدوسؒ) این سخن بشنید پیشِ شاہ العالمین

یہ خبر یعنی حضرت قادر قمیص اعظمؒ کے واردِ گنگوہ ہونے کی اطلاع قطبِ عالم حضرت پیر دستگیر شاہ عبدالقدوس کو پہنچی (اور یہ بھی کہ) یہ کہتے ہیں کہ (شیخ عبدالقدوسؒ کو وہ طلب بھی کرتے ہیں) شیخ عبدالقدوسؒ نے یہ بات سنی تو

پیش شاہ العالمین شاہ عبدالرزاق قادریؒ جھنجانوی، کتابت فرستاد وعرض نمود کہ یک شیر بچہ از سلسلۂ عالیہ قادریہ بدر دازۂ ما نشستہ اند برائے عنداللہ ایں شیر بچہ را بہ ساڈھورہ رخصت نمایند۔ چوں نامہ بخدمت شاہ العالمین در جھنجانہ رسید نامہ بخواند ... وقت سوار شدہ در گنگوہ رسیدند۔ و ملازمت سید سلطان الاولیا سید شاہ قمیص الاعظم حصول نمودہ ودیدند کہ از دُرہائے قادری دُرِ بے بہا اند۔ دست بستہ پیش حضرت ایستادند وعرض کردند کہ قصبۂ ساڈھورہ نزدیک است۔ حضرت فرمودند کہ ما میدانیم کہ ساڈھورہ نزدیک است۔ ایں قصبہ را کہ دراں خانہ داشت شاہ عبدالرزاق بعبدالقدوس بخشیدیم باز ہموں گاہ قصد ساڈھورہ کرد۔ (خوارقات ۱۵)

شاہ العالمین شاہ عبدالرزاقؒ قادری کو خط بھیجا اور عرض کیا۔ یعنی یہ لکھا کہ سلسلۂ عالیہ قادریہ کا ایک شیر بچہ ہمارے دروازے پر آبیٹھا ہے۔ خدا کے واسطے اس شیر کے بچے کو آپ ساڈھورہ چلتا کریں۔ جیسے ہی یہ خط جھنجانہ شاہ العالمین (حضرت شاہ عبدالرزاق قادریؒ) کو پہنچا انھوں نے پڑھا اور اسی وقت سوار ہوئے اور گنگوہ پہنچ گئے۔ اور سلطان الاولیا، سید شاہ قمیص الاعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ قادری موتیوں میں سے یہ تو بے مثل اور بیش قیمت موتی ہے تو وہ دست بستہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کے روبرو کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ساڈھورہ پاس ہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ ساڈھورہ نزدیک ہی ہے یہ قصبہ کہ جس میں ان کا گھر ہے شاہ عبدالرزاقؒ کے ذریعہ عبدالقدوس ہی کو بخشا بعد ازاں آپ نے یعنی حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ نے ساڈھورہ کا عزم فرمایا۔

غور طلب یہ ہے کہ یہ ہے کون جس کو دھکے دلانے کی سعی کی ہے مسافر ہے درویش ہے۔ درویش بھی کیسا کامل درویش۔ منازل سلوک سے گزر چکا ہے بلند ترین

مرتبے پر فائز ہے۔ اعلیٰ خاندان کا فرد ہے آلِ نبی ہے معزز ترین خانوادۂ سلوک کا معزز رکن ہے جواں سال ہے اور اوصافِ درویشی کے اعتبار سے عمر رسیدہ کاملوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اتفاق سے آنکلا ہے۔ کسی سے کسی چیز کا طالب بھی نہیں ہے۔ اخلاقِ درویشی کا اقتضا کیا یہی ہے کہ دھکے دلوائے جائیں اور چلتا کیا جائے اگر یہی وصف اور کمال درویشی ہے تو پناہ بخدا۔ زمانہ شاہد ہے کہ عوام کا کردار ایسے باخدا بزرگوں سے بہتر ہے۔ یہ تو کوئی ایسا ہے کہ جس پر درویشی کی چھینٹ بھی نہیں پڑی ہے۔ ڈرتا ہے کہ اگر یہ باکمال یہاں رہ پڑا تو اپنی مشیخت کی ترکی تمام ہوجائے گی اور کوئی کوڑی کو بھی نہیں پوچھے گا۔ اتنا حوصلہ بھی نہیں کہ سامنے آتا۔۔۔ ضعیف العمر بزرگ کو تکلیف دی انھوں نے اوصافِ درویشی کے اعتبار سے تکلیف گوارا کی۔ تشریف لائے اور درویشانہ ادب آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ملاقات کی۔ حالانکہ خوردی و بزرگی کا امتیاز بھی تھا خیر! بیک نظر انھوں نے دیکھ لیا سمجھ لیا کہ از دُرہائے قادری درِ بے بہا اند اور جس طرح معروضہ پیش کرنا تھا پیش کر دیا اور وہ مقبول بھی ہوا۔

میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ اس صورتِ حال کا جلیل القدر بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ۹۴۵ھ میں واصل حق ہوچکے تھے اور وفات سے کئی سال پہلے سے عالم استغراق میں تھے کبھی عالم صحو میں ہوتے اور کوئی ہمنشین مزاج پُرسی کرتا تو فرماتے میں دریائے توحید میں مستغرق ہوں اتنا فرماتے اور پھر عالم استغراق میں مستغرق ہوجاتے۔ انھیں اس ایں و آں اور چناں وچنیں سے کیا واسطہ کو، بیا، ڈکو، برو۔ اگر وہ بقید حیات ہوتے تو ایسی کچھ تواضع اور خاطر مدارات سے پیش آتے کہ جو رہتی دنیا تک بھلائی نہیں جاتی۔

صورتِ حال یہ بھی ہے کہ یہ روایت صاحبِ خوارقات نے کوئی تین سو برس بعد قلمبند کی ہے۔ اتنی مدت میں زبانی نقل درنقل میں تصرف بھی ہوتا ہے اور سہو بھی

گُل کھلاتا ہے۔ یہ واقعہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے دردولت سے متعلق سہی لیکن یہ ہرگز ہرگز حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی ذات گرامی سے متعلق نہیں اور ظن غالب یہ ہے یہ واقعہ آپ کی وفات کے بعد پیش آیا ہو تو آیا ہو۔ اگر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ بقید حیات ہوتے تو اگر وہ ملاقات کو نہ آتے تو حضرت قادر قمیص اعظمؒ ہی اخلاق درویشانہ کی رعایت سے خود شرف ملاقات حاصل کرتے اگر ایسا ہوتا تو ذکر بھی زبانِ قلم پر آتا۔ مگر صاحب خوارقات نے باہمی ملاقات کا ذکر تو ذکر اشارہ تک بھی نہیں کیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت آشکارہ ہے کہ صاحب خوارقات سے جس راوی نے روایت کی ہے یا تو اسے صحیح روایت پہنچی نہیں ہے یا اسے سہو لاحق ہوا ہے۔ بطور جملۂ معترضہ یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے باب میں لب کشائی کے لیے اور واقعات کی فہمید کے لیے اور گتھیوں کے سلجھانے کے کے لیے نسبتِ قوی اور طلبِ استمداد سے ذہنی الجھنیں دور ہو جاتی ہیں ورنہ بے شمار لغزشیں دامن گیر رہتی ہیں یوں تو سب ہی حضرت آدمؑ کی اولاد اور سب ہی نبی زادے ہیں۔ ابولہب اور ابوجہل بھی ابراہیم خلیل اللہؑ کی اولاد تھے۔ ہندی مثل ہے آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر اور یہ صحیح ہے۔ معیارِ انسانیت اوصافِ حمیدہ ہی ہیں۔

سرائے افغان

خیر! حضرت قادر قمیص اعظمؒ گنگوہ شریف سے رخصت ہوئے اور اپنے معمول کے مطابق۔ جا بجا قیام فرماتے اور طالبوں کو راہ حق کی راہنمائی فرماتے ہوئے شہر سرائے افغان متصل ساڈھورہ پہنچ گئے۔ اور پلکھن کے سوکھے درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور اس سے کہا اے درخت برائے نشستن فقرا سایہ بدہ۔ اے درخت فقیروں کے بیٹھنے کے لیے سایہ دے۔ پلکھن کا درخت جو مدتوں سے سوکھا کھڑا تھا پلک جھپکاتے ہی سایہ دار ہو گیا۔ پھر آپ نے شیخ ضمیر خادم سے تازہ وضو کے لیے پانی طلب کیا تو شیخ ضمیر خادم نے بتایا کہ اب آفتابہ (لوٹے) میں پانی نہیں ہے اس سے

یہ معلوم ہوا کہ ساڈھورہ کا علاقہ یہی ہے مگر آبادی دور ہے۔ گویا کہ یہ مقام شہر سرائے افغان سے بھی فاصلے پر تھا اور جنگل بیابان میں تھا۔ وہاں ایک اندھا کنواں بھی تھا جو مدتوں سے سوکھا پڑا تھا۔ آپ نے خادم شیخ ضمیر سے فرمایا کنوئیں کے پاس جاؤ۔ اسے میری دعا کہو اور یہ کہو کہ وضو کے لیے پانی درکار ہے شیخ ضمیر خادم نے حکم کی تعمیل کی کنوئیں سے آپ کی دعا کہی اور کہا کہ وضو کے لیے آپ کو پانی درکار ہے۔ کنواں یہ پیام سنتے ہی اُبل پڑا اور کنارے تک پانی آگیا شیخ ضمیر خادم نے لوٹے میں پانی بھرا اور آپ کو لا کر دیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ پیچھے پیچھے ہی کنوئیں کا پانی بہتا چلا آرہا ہے اور ساڈھورہ کی طرف رُخ ہے گویا کہ آبادی ساڈھورہ کی نشاندہی کر رہا ہے۔ آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ تو نہیں چاہا تھا۔ جا اپنی جگہ رہ۔ پانی واپس چلا گیا اور کنوئیں میں جا اُترا اور ایسا رہنے لگا جیسے کنوئیں میں پانی رہتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ بلکھن کے سوکھے درخت کا ہرا بھرا اور سایہ دار ہو جانا لِسَانُہٗ الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ بِہٖ کا کرشمہ ہے۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ   کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

مطلب یہ ہے کہ جو بندہ تابعِ فرمانِ الٰہی ہو جاتا ہے کائنات کی ہر شے اس کے تابعِ فرمان ہو جاتی ہے آج کیا ہے کیوں نیا ہماری ڈگمگا رہی ہے۔ یہی کہ ہم تابعِ فرمانِ الٰہی نہیں رہے ہیں۔ اگر ہم آج بھی اپنے آبا کی روش اختیار کریں تو آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا۔

ترمذی بزرگ

قطب الاقطاب حضرت سید عبدالوہاب زیدی الترمذی از اولاد سید احمد توختہ رحمتہ اللہ علیہم ساڈھورہ کے جلیل القدر بزرگ تھے۔ جب آپ کو حضرت قادر قمیص اعظمؒ کے سرائے افغان کے نزدیک تشریف فرما ہونے کی اور آپ کے خوارق و کرامات کی اطلاع ملی تو آپ نے سلام بھی کہلا کر بھیجا اور بطور مہمان نوازی ایک پیالے میں لبالب

دودھ بھر کے بھیجا۔ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ نے قبول فرمایا اور اپنی مبارک آستین سے تروتازہ پھول نکال کر دودھ کے اوپر رکھ دیا حالانکہ وہ پھولوں کا موسم بھی نہ تھا۔ اور ان ہی کو بھیج دیا اور سلام کے جواب میں وَعَلَیْکَ وَعَلَیْہِمُ السَّلَام فرمایا۔ فرستادہ حضرت سید عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں لے کر پہنچا تو آپ نے دیکھتے ہی بیساختہ یہ فرمایا:۔

ماہِ من از آں آفتاب ہمچو سہا شد۔ (خوارقات)

اس آفتاب کی تابندگی کے مقابلے میں تو میری کمالیت کا چاند سُہا ستارہ ہی بن کر رہ گیا ہے۔

(یہ اظہار انکساری اور شریف النفسی کی علامت ہے)

دودھ سے لبالب بھرا پیالہ بھیجنے کی روایت بعض اور بزرگوں کے ذکر میں بھی ملتی ہے اور اس پر پھول رکھ کر واپس کرنے کی بھی۔ البتہ اس روایت میں بے موسم تروتازہ پھول کا اضافہ ہے جو عجوبۂ روزگار اور سر بسر کرامت ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ دودھ مفرح و لطیف ترین غذا ہے۔ اور حدیثِ رؤیا کے مطابق اس کی تعبیر آرام و راحت اور دنیاوی عیش و عشرت ہے گویا کہ دودھ کا تحفہ بھیجنے سے اس امر کا اظہار مقصود ہوتا ہے کہ یہاں مادی سہولتیں بھی مہیا ہیں اور لطافت کے اعتبار سے غیر مادی بھی۔ پھول میں مادیت قدرے قلیل اور اس قدر قلیل، کہ لطیف و مفرح شے سے بھی بالاتر ہے، اور سراپا خوشبو ہے۔ قلب و روح کے لیے طمانیت بخش اور روحانیت میں گُلِ سر سَبَد ہے۔ گل اندازی سے یہ اظہار مقصود ہے کہ ہمیں پھول کی مثل روحانیت سے مالامال زندگی کی طلب ہے اور اسی میں ہم کوشاں ہیں ہمیں دودھ والی راحت و آرام کی زندگی درکار نہیں ہے۔

پھول کا تحفہ بھیجنے میں اس رمز کا اظہار بھی مقصود ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دنیاوی چیزوں میں سے تین چیزیں انتہائی مرغوب اور پسندیدہ تھیں جن میں سے ایک خوشبو ہے (منبہات) اور حضور سید المرسلین

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پسند ہے۔ پھول بھی گوناگوں اوصافِ روحانیت سے متصف ہے پھول کی زبانی کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

گل گفت کہ من مذہبِ دینی دارم | بار وحِ رسول ہمنشینی دارم
رنگم چو محمد است و بوم چو علی | خلقِ حسنؑ وخوئے حسینی دارم

یہ دانشوری اور بصیرتِ باطنی کا کمال ہے کہ آپ نے پھول کی تمثیل سے وہ کچھ بتا دیا جس کے اظہار کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہو سکتے تھے۔ بے موسم اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تر وتازہ پھول بھی مہیا فرما دیا۔ سچ ہے ؏ خدا خود میر سامان است اربابِ توکل را۔ جو خدا کا ہو گیا۔ اور خدا جس کا ہو گیا۔ اس کے لیے کمی کس چیز کی ہو سکتی ہے۔ یہ روایت حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کی اعلیٰ ترین روحانی شخصیت کا روشن مینارہ ہے۔

قاضی ابوالمکارم

قاضی ابوالمکارم قصبہ ساڈھورہ کے معززین میں سے ممتاز ترین شخص تھے۔ مگر قاضی تھے۔ مثل مشہور ہے کہ قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے۔ پھر قاضی صاحب کی سمجھ بوجھ سبحان اللہ۔ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کی کرامات کا شہرہ عام ہوا اور کرامت کی ہوشربا خبریں قاضی صاحب کے بھی گوش گزار ہوئیں۔ اِن کا دل بھی پسیجا۔ ملاقات کو چلے مگر یہ ٹھان کے چلے کہ اگر پہنچتے ہی حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ نے مجھے قلمدان عنایت فرمایا تو میں بھی بیعت ہو جاؤں گا بالفاظِ دیگر میں بھی ایمان لے آؤں گا۔ خدا کی شان جیسے ہی حضرت قاضی ابوالمکارم حاضرِ خدمت ہوئے۔ حضرت قادر قمیص اعظمؒ نے انھیں قلمدان عنایت فرمایا۔ قاضی صاحب بھی عہد کے پکے تھے۔ فوراً ہی بیعت ہو گئے اور حلقۂ اِرادت میں منسلک ہو گئے۔

اس کرامت میں یہ حقیقت جلوہ گر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مخصوصین کو وہ کچھ عنایت فرماتا ہے۔ جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا اور وہ کچھ القا فرماتا ہے اور سرانجام دلاتا ہے۔ جس سے دانایانِ روزگار حیران و ششدر

رہ جاتے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ کرامت کا وصف قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ ہی کا پرتو ہے۔ اور یہ ان کی وساطت سے جلوہ افروز ہوتا ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا   ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا

یہ کرامت ہمیں دعوتِ عمل بھی دے رہی ہے اور عزم و ارادے کو توانائی بھی بخش رہی ہے۔

ورودِ ساڈھورہ

بہرکیف آپ کی ان کرامتوں کی گرد و نواح میں دھوم مچ گئی۔ اور مخلوقِ خدا جوق در جوق آنے لگی اور حلقۂ ارادت میں منسلک ہونے لگی اور مرادوں کے پھولوں سے جھولی بھرنے لگی۔ ساڈھورہ والے بھی متوجہ ہوئے اور خوب خوب فیضیاب ہوئے۔ ساڈھورہ ساڈھورہ ہی تھا گنگوہ نہ تھا۔ ساڈھورے والے قدرداں اور مردم شناس تھے۔ ساڈھورہ کے اہلِ کمال تنگ دل اور کم ظرف نہ تھے انھوں نے اپنی بساط کے مطابق دل میں جگہ دی اور سر آنکھوں پر بٹھایا۔ انھوں نے یہ چاہا کہ اس جنگل بیابان سے اس خدائی نعمت کو اپنے گھر لے جائیں تاکہ ہم بھی بآسانی فیضیاب ہوتے رہیں اور آنے جانے والوں کو بھی سہولت رہے کہ ساڈھورہ میں ضرورت کی ہر چیز بآسانی دستیاب ہوتی رہے۔ لہٰذا انھوں نے حضرت قادر قمیص اعظم سے اپنی چاہت کا اظہار کیا آپ واقف ہی تھے کہ ساڈھورہ آپ کا مقامِ ولایت ہے۔ وہیں آپ کو قیام فرمانا ہے۔ آپ نے اظہارِ رضامندی فرمایا۔ چنانچہ اکابر ساڈھورہ آپ کو باعزاز تمام ساڈھورہ لے آئے۔ صاحب خوارقات لکھتے ہیں:

ہمہ اکابرانِ قصبہ در رکاب حضرت شدہ واز آں جا برخاستہ پُر نور نام جاہے درونِ شہر است وآں جدی قبرستان باشندگان دغیرہ	قصبے کے تمام بزرگ آپ کے ہم کاب ہوئے ساتھ ساتھ چلے اور آپ کو وہاں سے یعنی صحرائے سرائے افغاناں سے قصبۂ ساڈھورہ میں لے آئے

ہستند آورد ند وساکن شد ند۔
(خوارقات ۱۸)

اور آپ کو پُرنور نام کنوئیں کے پاس ٹھیرایا جو آبادی ہی میں ہے۔ اور اس کے قریب ہی باشند گانِ ساڈھورہ کا اور دیگر اشخاص کا جدی قبرستان بھی ہے۔

اس بیان سے کہ جدّی قبرستان باشندگانِ وغیرہ ہستند ــــ لفظ وغیرہ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ان قبرستانوں میں سے بعض میں ایسی قبور بھی تھیں جن کے متعلق وضاحت سے نہیں بتایا جا سکتا کہ کن بزرگوں کی تھیں۔ مگر تھیں نمایاں اور ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا بھی جاتا تھا۔ اسی لیے لفظ وغیرہ سے ان کی نشاندہی کے لیے اشارہ ضروری سمجھا۔ تعجب نہیں یہ وہی مقام ہو جہاں نوگزے جیسے بزرگوں کی بھی قبور ہوں۔ وہیں حضرت مخدوم قادر قمیص اعظمؒ کے لیے قیامگاہ مقرر کی گئی ہو۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ محلہ قاضیان ساڈھورہ کے نزدیک مزار حضرت نور شہیدؒ کا تھا۔ یہی مقام پیر نور نام سے نامزد تھا اور یہیں حضرت مخدوم قادر قمیص اعظمؒ کو ٹھیرایا گیا تھا۔ لیکن صاحب خوارقات کے بیان سے واضح ہے کہ پُرنور نام کا کوئی کنواں تھا جو قبرستانوں کے قریب تھا اور یہی مقام حضرت مخدوم قادر قمیصِ اعظمؒ کی ساڈھورہ میں ابتدائی قیامگاہ تھا۔ الغیب عند اللہ۔ ندی ساڈھورہ کے جنوب میں ندی سے فرلانگ ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسے قمیصی مسجد کہتے ہیں۔ تعجب نہیں کہ بعد میں آپ اس کے قریب میں رہایش پذیر ہوئے ہوں اور اسی مسجد میں نماز ادا فرماتے ہوں اور اسی لیے اسے قمیصی مسجد کہنے لگے ہوں۔ یہ مسجد مشہور مسجد جن کے شرق میں واقعہ ہے۔ ۱۹۴۷ء سے ویران تھی لیکن اب آباد ہے کہ قرب وجوار میں دوبارہ مسلمان آبسے ہیں۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے قیام ساڈھورہ کے ذکر میں لکھا ہے۔

در قصبۂ سالورہ خضر آباد رحلِ اقامت نہاد۔ مدتے ہم بوضع فقر و تجرید می گزرانید۔ (اخبارالاخیار)	قصبۂ ساڈھورہ خضر آباد میں سکونت اختیار کی اور مدت تک فقر و تجرید کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔

ابتدائے حال میں مدت تک آپ درویشانہ اور مجردانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ انجام کار وہ وقت آگیا کہ متاہل زندگی بسر کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔

عقدِ ثانی اِلقائے ربّانی سے یا کشف و الہام سے آپ کو آگاہی ہوئی کہ سید نصر اللہ واسطیؒ کی صاحبزادی بی بی عائشہؒ کو آپ کی زوجیت کا شرف حاصل ہونا ہے۔ آپ نے اپنے واقف کار شیخ عبدالواحد سے دریافت کیا کہ اولیاء وقت اور عالم متبحر سید نصر اللہ واسطیؒ کیا یہیں رہتے ہیں جو قدوۃ العارفین سید شاہ ابوالفرح واسطیؒ کی اولاد پاک نہاد سے ہیں اور نجیب الطرفین سید ہیں۔ شیخ عبدالواحد ساڈھورہ ہی کے رہنے والے تھے اور واقفِ حال تھے انھوں نے بتایا کہ سید نصر اللہ واسطیؒ یہیں رہتے ہیں۔ تو آپ نے شیخ عبدالواحد سے کہا کہ آپ تکلیف فرمائیں اور انھیں میرا یہ پیغام پہنچائیں کہ لوحِ محفوظ میں آپ کی صاحبزادی بی بی عائشہؒ سید شاہ قمیص اعظم القادر کے نام لکھی ہوئی ہیں لہٰذا آپ ان کا نکاح مجھ سے کر دیں۔ جب یہ پیغام شیخ عبدالواحد نے سید نصر اللہ واسطیؒ کو پہنچایا تو وہ متفکر ہوئے اور یہ فرمایا کہ کنبے قبیلے والوں کے بیاہ شادی تو کنبے قبیلے ہی میں ہوا کرتے ہیں مجھے یہ نہیں معلوم کہ یہ صاحب کس قبیلے اور کس خاندان سے ہیں۔ اتنا ہی کہا اور خاموش ہو گئے۔ یہی بات شیخ عبدالواحد نے حضرت قادر قمیص اعظمؒ سے کہہ دی۔ آپ نے سنی اور آپ نے اپنے بزرگوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ السلام اور سیدنا پیران پیر دستگیر ابو محمد عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ کی طرف رجوع فرمایا۔ سید نصر اللہ واسطیؒ نے خواب میں دیکھا کہ یہ سب بزرگ ان کے ہاں تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے سید نصر اللہ کچھ شک و شبہ کی بات

نہیں ہے بلاشبہ سید شاہ قُمیص اعظم صحیح النسب سید ہیں اور ہماری ہی اولاد سے ہیں اور تمھاری صاحبزادی بی بی عائشہ ان ہی کے لیے ہیں تم برخورداری کا نکاح ان سے کردو۔

سید نصر اللہ بیدار ہوئے تو اپنی اہلیہ سے اور اپنے عزیز و اقارب سے اور دوست واحباب سے اور قاضی ابوالمکارم سے اپنا خواب بیان کیا اور رشتہ قبول کر لیا۔ اور بقول صاحب ثمرات القدس لعل بیگ لعلی[1] نکاح ہوگیا اور آپ متاہل زندگی بسر کرنے لگے۔ اور اس سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آپ کی مقبولیت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

سید نصر اللہ مردے بود عالم و عامل و صاحبِ حال و متبع و مستقیم جگر گوشۂ خود را در عقدِ نکاحِ او در آورد۔ و بعد از وقوعِ ایں تعلق او را توطن و سکونت ہماں جا اختیار وقت افتاد و قبولیٔ تمام و شہرتی تام نصیب او شد و خلقِ کثیر از نواحی آں دیار در حلقۂ ارادت و عقیدتِ او در آمدند و جمعے از درویشانِ اہل

سید نصر اللہ ایک شخص تھے جو عالم بھی تھے اور منصب دار بھی تھے۔ صاحب حال و متبع شریعت بھی تھے اور اپنے معمولات کو بڑی پابندی سے انجام دیتے تھے۔ انھوں نے اپنی پیاری بیٹی کا نکاح مخدوم قادر قمیص اعظمؒ سے کر دیا۔ اس رشتے کے ہو جانے کے بعد آپ نے ساڈھورہ ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ پھر تو آپ کو پوری پوری

---

[1] صاحبِ خوارقات نے بقول خود ثمرات القدس سے تاریخِ نکاح ۵ ار رجب ۸۵۷ھ یوم شنبہ نقل کی ہے جو کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے ۸۵۷ھ قطعاً غلط ہے اس سنہ میں تو حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور مہینہ تاریخ اور دن بھی اس سنہ کے مطابق نہیں ہے سراسر غلط ہے۔ غالباً ۱۱ ر رجب ۹۵۶ھ ہوگا۔

نیز بخدمت انتساب نمودند و از آں جملہ شیخ عبدالرزاق المشہور بہ شیخ بہلول مرید و خلیفہ او است۔
(اخبار الاخیار)

مقبولیت اور آپ کے مبارک نام کو بہت ہی شہرت حاصل ہوئی حتیٰ کہ ساڈھورہ کے گرد و نواح کے رہنے والے بھی بکثرت آپ کے مرید اور عقید تمند ہو گئے یہی نہیں بلکہ باکمال درویشوں کی جمعیت کی جمعیت آپ سے وابستہ ہو گئی۔ ان ہی میں سے ایک شیخ عبدالرزاق ہیں جو شیخ بہلول کے نام سے مشہور ہیں وہ آپ کے مرید بھی ہیں اور خلیفہ بھی ہیں

حضرت بی بی عائشہؒ کے بطن سے حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کی اولاد بھی ہوئی۔ دو صاحبزادوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بڑے صاحبزادے کا نامِ نامی سید شاہ محمدؒ قادری ہے جو مادر زاد ولی تھے اور حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کے خلیفہ و جانشین تھے۔ ان ہی سے خانوادۂ قادریہ و قمصیہ نے فروغ پایا۔ ہمارے مطالعہ میں اکثر ایسے ہی شجرے آئے ہیں جن میں حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کے بعد حضرت سید شاہ محمدؒ قادری کا نامِ نامی زیبِ شجرہ ہے۔ بیشک خلفاء سے بھی سلسلے نے فروغ پایا ہو گا لیکن دیگر خلفاء سے متعلق شجرے ہنوز ہمارے مطالعہ میں نہیں آئے۔ دوسرے صاحبزادے کا نامِ نامی سید شاہ ابوالمکارم ہے یہ بھی باکمال بزرگ تھے۔

زیارتِ مقابر سید المرسلین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قبرستان جنت البقیع (مدینۂ منورہ) میں اکثر تشریف لے جاتے اور یادِ اللہ سے اہلِ قبور کو ایصالِ ثواب فرماتے تھے اور سال کے سال جبلِ اُحد تشریف لے جاتے اور شہدائے اُحد کو ایصالِ ثواب فرماتے حضرت قادر قمیص اعظمؒ اتباعِ سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بے مثل شخصیت کے مالک تھے لہٰذا آپ بھی زیارت مقابر شہداء کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور ایصال

ثواب فرماتے تھے۔ شہداء کے مزارات گانو ٹھسکا بَنْ میں ہیں جو ساڈھورَہ سے شمال مشرق میں کوئی پانچ میل کے فاصلے پر پہاڑ پر ہیں۔ اسلیے انھیں شہدائے بلندی کہتے ہیں اور ان کے نام عبدالرحیمؒ عبدالکریمؒ اور عبدالرسولؒ بتائے جاتے ہیں اس دشت و بیابان میں بھی بکثرت شہداء آسودۂ خوابِ آخرت ہیں لہٰذا آپ ننگے ہی پائنو آتے جاتے تھے۔

شیخ عبدالمومن آپ کے مخلصین میں سے تھے اور آپ ان کو زندہ شیر کہتے تھے ایک دن انھوں نے آپ سے عرض کیا کہ شہدائے بلندی کے مزارات ساڈھورہ سے چار کوس کے فاصلے پر ہیں۔ آپ برہنہ پا (ننگے پانو) اور پنجوں کے بل اتنی دور آتے جاتے ہیں۔ یہ تو بہت ہی تکلیف دہ ہے آپ نے فرمایا کہ آیندہ جب میں زیارتِ شہداء کو جاؤں تو تم مجھے یاد دلانا۔ لہٰذا جب آیندہ آپ زیارتِ شہداء کو تشریف لے جانے لگے تو شیخ عبدالمومن زندہ شیر نے یہ بات آپ کو یاد دلائی۔ آپ نے فرمایا تم تازہ وضو کر کے آؤ۔ وہ وضو کر کے آئے تو روانگی کے وقت آپ نے اپنی انگلی ان کے ہاتھ میں دی اور وہ انگلی پکڑے پکڑے چلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ساڈھورہ سے پہاڑ تک جہاں شہدائے بلندی کے مزارات ہیں۔ اوپر تلے شہیدوں کی لاشیں ہی لاشیں ہیں اور آنے جانے والے ان کے سر اور سینے پر اور ان کے اجسام پر پانو رکھتے اور آتے جاتے ہیں۔ جب شیخ عبدالمومن زندہ شیر نے یہ منظر دیکھ لیا تو آپ نے ان سے کہا دیکھ لیا تم نے کہ میں کیوں پا برہنہ آتا جاتا ہوں۔ بلاشبہ اس عمل کے مکلف وہی بزرگ ہیں جن کی سینے کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ہر کوئی نہیں ہے۔ ابتدائے اسلام میں زیارت قبور کے لیے برہنہ پا ہی جانے کا حکم تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔ غالباً اس لیے کہ ہر کس و ناکس کو مکلف قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ بہرحال اس روایت سے حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کی روشن دلی بصیرتِ باطنی اور بلندئِ مراتب آشکارہ ہے اور کامل اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وصف جلوہ گر ہے۔

عروجی و نزولی کیفیات
کہستان سرمور

حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی عروجی و نزولی کیفیات سے دو چار رہنا پڑتا ہے اور اولیائے کرام رحمہم اللہ کو بھی۔ عروجی کیفیت یہ ہے کہ قربِ حق کی اعلیٰ و افضل کیفیات میں ہمہ تن مستغرق رہا جائے اور عالمِ ظاہر سے ذرا بھی وابستگی نہ رہے۔ نزولی کیفیت یہ ہے کہ مخلوق کی راہنمائی میں اور اُنکے اصلاحِ حال میں کامل توجہ سے منہمک رہا جائے۔ اس حال میں مراتب قرب میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور اللہ پاک انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی اس مشغولیت کو بہت ہی پسند فرماتے ہیں لیکن یہ حضرات مشاہدۂ حق کے سوا بعض دیگر مشغولیات کو اپنی نسبت سے پردے سے تعبیر کرتے ہیں۔ سید المرسلین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسے ہی رفعِ حجاب کے لیے استغفار پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ونسائی)

ساڈھورہ کے قیام کے دوران رجوعِ خلائق بکثرت تھا۔ حضرت قادر قمیص اعظمؒ کو رشد و ہدایت کے کام میں بہت مشغول رہنا پڑتا تھا لیکن جیسے ہی مہلت ملتی آپ دشت وجبل کی راہ لیتے اور وہاں کامل استغراق کے ساتھ مشاہدۂ حق میں مشغول رہتے تھے۔ کبھی کبھی مریدوں کی جماعت کو بھی ہمراہ لے جاتے اور وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ الخ کی تربیت فرماتے۔ صاحبِ خوارقات نے لکھا ہے کہ ۹۶۹ھ میں آپ تین سو مریدوں کے ہمراہ علاقۂ سرمور تشریف لے گئے جو وسیع کوہستانی علاقہ ہے اور ساڈھورہ سے شمال میں ہے۔ ناہن اس کا صدر مقام ہے جو قلۂ کوہ پر واقع ہے۔ جو ناہن کی چوٹی مشہور ہے۔ اس علاقے میں غلہ کی پیداوار نایاب ہے۔ مونگ پھلی اور آلو کہیں کہیں قلیل ترین مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ آپ نے کوئی دو سال اس علاقے میں قیام فرمایا اور مریدوں کی تربیت فرمائی بمشکل تمام ڈیڑھ دو کیلو آٹا دستیاب ہوتا۔ اس کی روٹی پکائی جاتی اور بقدر مساوی تین سو مریدوں میں بانٹ دی جاتی آپ بھی اتنا ہی حصہ لیتے جتنا دوسروں کے حصے

میں آتا تھا لیکن وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰہَ الخ کے کامل یقین کی برکت سے ٹکڑے پارچے ہی میں ایسی برکت ہوتی کہ سب ہی سیر ہو جاتے وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ کی شان جلوہ گر ہوتی۔ اس طرح ہر مرید مرکزِ ارشاد و ہدایت بن جاتا تھا۔ مریدوں کی ایسی ہی جمعیت سے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا یہ ارشاد ہے:

جمعے از درویشانِ اہل نیز بجد متش انتساب نمودند۔ (اخبار الاخیار)	باکمال درویشوں کی جمعیت نے بھی آپ کی خدمتِ فیضدرجت سے وابستگی اختیار کر لی تھی۔

بلاشبہ وہ درویش جو وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰہَ الخ کے وصف سے متصف تھے وہ درویشانِ اہل ہی تھے اور بجائے خود خانقاہ اور مرکز رشد و ہدایت تھے۔

خانقاہ خانقاہ مرکب لفظ ہے (خان + قاہ) حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ بروئے لغت خان کے معنیٰ ہیں گھر، مکان اور سرائے۔ قاہ کے معنیٰ ہیں عبادت۔ دعا اور دعا کا جلد قبول ہونا۔ لہٰذا خانقاہ کے معنیٰ ہیں۔ عبادت کرنے اور دعا مانگنے کی جگہ۔ (خیر المجالس) مراد اس سے وہ مقامِ خلوت ہے جہاں اللہ والے سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ پاک کی یاد میں مشغول رہیں۔ وہ مقام پہاڑی غار ہو یا صحرائے لق و دق ہو یا آبادی میں کوئی پُرسکون جگہ ہو وہی خانقاہ ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مردے خدا بمشرق و مغرب غریب نیست   ہر جا کہ رفت خیمہ انداخت و خانقاہے ساخت

مردانِ خدا کے لیے دورانِ سفر میں خیمہ بھی خانقاہ ہی ہے۔ یہ لازم نہیں کہ اینٹ مٹی، یا پتھر چونے کی بنی کوئی عمارت ہی ہو بلکہ زمین کا فرش اور آسمان کا سائبان ہی ہو اور کوئی بندۂ خدا وہاں محوِ عبادت رہتا ہو۔ وہی خانقاہ ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کُنْ فِی الدُّنْیَا	سید المرسلین حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں مسافر کی طرح رہو۔ یا راہ گیر

كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ كَعَابِرِیْ سَبِيْلٍ کی طرح رہو۔ اور اپنے کو اصحاب قبور جیسا
وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ سمجھو۔

(متفق علیہ)

لہٰذا حضرات اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اسی حدیثِ مبارکہ پر عمل پیرا رہتے ہیں وہ اینٹ مٹی اور پتھر چونے کی عمارتوں کی تعمیر کی طرف ذرا بھی ملتفت نہیں ہوتے اگر اقتضائے حالات سے ایسی صورت رونما ہوتی کہ کوئی خانقاہ تعمیر کرا لیتا تو معاصر اولیاء اللہ اسے سیرت وسنت اولیائے کرام کے خلاف قرار دیتے اور ناپسند فرماتے تھے اور اس نقطۂ نظر کی تصدیق حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء سلطان المشائخؒ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ آپ نے ۲۱ شوال ۷۱۱ھ کی مجلس میں یہ واقعہ بیان فرمایا جو قدرے تفصیل سے نذرِ ناظرین ہے:۔

قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ العزیز کے معزز خلیفہ اور جلیل القدر بزرگ شیخ بدر الدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ دلی ہی میں مقیم تھے۔ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ کی وفات کے بعد حضرت شیخ بدر الدین غزنویؒ کے مرید نظام الدین خریطہ دار نے حضرت شیخ بدر الدین غزنویؒ کے لیے خانقاہ تعمیر کرائی اور وہ اس خانقاہ میں رہنے لگے۔ قضا عند اللہ نظام الدین خریطہ دار شاہی عتاب میں مبتلا ہوا تو حضرت شیخ بدر الدین غزنویؒ بھی پریشانی میں مبتلا ہوئے حضرت شیخ بدر الدین غزنویؒ نے اپنے ہم خرقہ شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید گنج شکر قدس اللہ سرہ العزیز کو خط بھیجا اور اس پریشان کن حادثہ سے مطلع کیا۔ حضرت بابا صاحبؒ نے جواب میں لکھا ہے:۔

ہر کہ بر سیرت وسنتِ پیرانِ خود نہ رود ہمچنیں باشد

جو اپنے پیروں کی روش کے خلاف کرے گا۔ اسے ایسا ہی کچھ پیش آئیگا۔
حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ نے تشریحاً فرمایا چونکہ وہ حضرت

شیخ بدرالدین غزنویؒ) بزرگوں کے دستور کے خلاف خانقاہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔ اس لیے انھیں بھی ناز یبا پریشانی سے دوچار ہونا پڑا تھا۔
(فوائد الفواد)

حقیقتِ حال یہ ہے کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ شخصیات کی تعمیر فرماتے ہیں وہی چلتی پھرتی۔ جیتی جاگتی خانقاہ ہوتے ہیں اور ان ہی سے تشنگانِ ہدایت سیراب ہوتے ہیں اور رضائے الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ جو مقصد زندگی ہے۔ ہر مرید کامل مرکز ہدایت اور مثلِ خانقاہ کے ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم قادر قمیصِ اعظم جو اتباعِ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کہ اتباعِ سنت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں نادر و عزیز الوجود تھے وہ کیسے حدیث سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ الخ کے خلاف مسافرانہ زندگی بسر نہ کرتے اور خانقاہ بنا بیٹھتے۔ بلکہ خانقاہیں بنا بنا کر مریدوں کو ان میں سجاتے۔ اَسْتَغْفِرُ اللہ۔ یہ کہنا سراسر کذب و افترا ہے کہ آپ نے کہیں کوئی حویلی یا خانقاہ تعمیر کرائی۔ درویشوں کی عارضی قیامگاہ ہی کو خانقاہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خواہ قیام دشت وجبل میں ہو یا صحرائے لق ودق میں البتہ اولیاء اللہ آبادی کی ہنگامہ آرائی سے اکثر کنارہ کش ہی رہتے ہیں اور مادی تعمیرات سے ان کو دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ بلاشبہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ نے شخصیات کی تعمیر فرمائی جن کی نورافشانی سے سرزمین ہند و پاک جگمگا اٹھی اور سلسلۂ قادریہ قمیصیہ کو فروغِ عظیم نصیب ہوا۔

خلفاء حضرت مخدوم قادر قمیصِ اعظمؒ کے خلفاء میں سے شیخ عبدالرزاق المشہور شیخ بہلولؒ بہت ہی باکمال درویش تھے۔ ان کا نام نامی حضرت شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی نے اور مفتی غلام سرور لاہوریؒ نے لکھا ہے۔ خلفاء تو اور بھی ہوں گے مرزا محمد اختر دہلوی نے لکھا ہے کہ بہت سے خلیفہ ہو کر اطراف عالم میں پھیلے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ متداول تذکروں میں ان کے اسمائے گرامی نہیں ملتے لیے ممکن ہے (حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

ان تذکروں میں ہوں جو کمیاب ہیں۔ ریسرچ اسکالر جب اس موضوع پر کام کریں گے تو یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

صاحب مراۃ الاسرار شیخ عبدالرحمٰن چشتیؒ نے شاہ سکندر قمیصی القادریؒ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بزرگ حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ کی اولادِ پاک نہاد سے تھے اور شاہ قمیص قادریؒ کے مرید تھے۔ طریقت میں تربیت یافتہ تھے۔ بڑے خوش اخلاق کریم الطبع اور حمیدہ صفات تھے ۱۰۲۷ھ میں فوت ہوئے۔ قصبہ ردولی میں مزار ہے (ص ۲۶۹) ان بزرگ کے اوصاف سے ظاہر ہے کہ یہ بھی حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کے خلیفہ تھے۔

کتاب سنوات الاولیاء کے بیان سے واضح ہے کہ صاحب حضرات القدس شیخ بدرالدین سہرندی کے والد بزرگوار شیخ محمد ابراہیم قمیصی قادریؒ بھی آپ کے خلفاء میں سے تھے جو عالمِ دین بھی تھے۔ ممکن ہے کہ ان بزرگ کا تفصیلی حال "تذکرۂ مجمع الاولیاء" میں ہو جو شیخ بدرالدین سہرندی کی تصنیف ہے اور کمیاب ہے۔

بہر حال یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔ نام گنوانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جب کوئی لائق اہلِ قلم تحقیق سے کام لے کر لکھے گا تو صحیح حالات کا انکشاف ہوگا ؎

دادیم ترا گنجِ مقصود نشاں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کتاب ذکر جمیع اولیائے دہلی۔ "تالیف ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالرزاقؒ عرف شاہ بہلول مرید و خلیفہ حضرت شاہ قمیص قادریؒ نے ۱۳ رجب ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء شب پنجشنبہ کو وفات پائی۔ اور آستانۂ نقشِ قدم رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معروف قدم شریف دہلی کے آس پاس دفن ہوئے۔ مگر اب اُن کے مزار کی نشان دہی نہیں کرائی جاسکتی، اس لیے کہ اس میلوں طویل قدیم قبرستان میں نئی آبادی ہوگئی ہے اور خال خال قبور رہ گئی ہیں۔

مراجعتِ بنگالہ حضرت قادر قمیصِ اعظم آخری عمر میں بنگالہ تشریف لے گئے۔ جہاں آپ تولد ہوئے اور پروان چڑھے تھے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے بیان میں یہ جملہ بھی ہے کہ بتقریب آں کہ سلطانِ عہد ایشاں را در آں جا فرستادہ بود۔ اس سے یہ تو واضح ہے کہ سلطانِ عہد یعنی اکبر بادشاہ نے آپ کو بنگالہ بھیجا تھا مگر یہ نہیں ہے کہ کس سنہ و سال میں بھیجا تھا لہٰذا کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا۔

وفات حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ بنگالہ میں مقیم اور خدمت خلق اللہ اور راہنمائی خلق میں مشغول تھے کہ پیغامِ اجل آ پہنچا آپ نے لبیک کہا اور واصل بحق ہوئے۔ دستیاب شدہ جملہ تذکرے متفق ہیں کہ آپ نے ملکِ بنگالہ میں انتقال فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط حضرت شیخ عبد الحق محدثِ دہلویؒ نے یہ لکھا ہے:

وفاتِ شاہ قمیصؒ در ولایتِ بنگالہ[1] واقع شد ..... از آں جا	حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ نے ملکِ بنگالہ میں وفات پائی ...... وہاں سے

---

[1] جناب اظہار احمد گیلانی صاحب بھی عجب ذات شریف اور عجب باکمال ہستی ہیں۔ ایک سال کی کوشش سے معدودے چند صفحات کا کتابچہ لکھا ہے جو تضادِ بیان کا اور عجوبہ گوئی کا مرقع ہے اور جو بقول ان کے پیر و مرشد نفیس الحسینی صاحب کے عقیدت و خلوص کا مرقع ہے اور ایسا مرقع ہے کہ داد نہ فریاد۔ سبحان اللہ۔ مقام وفات کے متعلق بھی تضاد ہی کارفرما ہے اور وہ یہ ہے:

(۱) حضرت شاہ قمیصؒ کی وفات بہار شریف میں ۳ ذی قعدہ ۹۹۲ھ کو ہوئی (صفحہ ۱۷)

(۲) بہار شریف .... قلعہ بہار شریف ضلع پٹنہ ... اسی خانقاہ میں آپ کی وفات ہوئی (صفحہ ۲۵) یہ نیا انکشاف ہے۔ (۳) قمیص پورہ تحصیل جگادری (کاگوں والا) قمیص الاعظم قادری کا جسدِ اطہر بنگال سے ساڈھورہ لایا جا رہا تھا تو کچھ عرصے اس مقام پر رکھا گیا (صفحہ ۲۶) ۴۔ قادری باغ ضلع بلند شہر ... آپ کا جسد مبارک بنگال سے واپسی میں کچھ دیر حصول برکت کے لیے یہاں رکھا گیا تھا ع دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ سبحان اللہ تصوف و سیرت کے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

ثالث ذی القعدہ سنہ اثنین وتسعین وتسعمائۃ ہم بسالورہ آوردہ مدفون ساختہ اند۔ رحمۃ اللہ علیہ۔	تین۳ ذی القعدہ سنہ ۹۹۲ھ کو ساڈھورہ میں لاکر آپ کے جسد اقدس کو آغوشِ لحد میں فروکش کیا۔

(اخبار الاخیار)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بیان سے یہ بھی واضح ہے کہ ۳ر ذی القعدہ تاریخ وفات نہیں ہے بلکہ تاریخ تدفین ہے اور سالانہ تقریب عرس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ عرس کی مخصوص تاریخ ۹ر ربیع الآخر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نو۹ ربیع الآخر تاریخ وفات ہے۔ آپ کے جسدِ مبارک کو ملکِ بنگالہ سے لاکر ۲ر ذی القعدہ کو ساڈھورہ میں دفن کیا ہے گویا کہ ۶ ماہ ۲۲ دن میں یہ سفر طے ہوا تھا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے علاوہ دیگر تذکرہ نویسوں نے تاریخِ وفات ۲ر ذی القعدہ لکھی ہے۔ جسے سہل انگاری کا ثمرہ کہا جا سکتا ہے اور تسلیم نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ حضرت شیخ نہایت معتبر اور معاصر تذکرہ نویس ہیں۔ دیگر تذکرہ نویس صدیوں بعد کے ہیں اور حضرت شیخ ہی کے خوشہ چین ہیں اور ان میں سے ایک بھی علم وفضل اور اعتماد واعتبار میں ان کا ہم پلہ نہیں ہے لہٰذا حضرت شیخ ہی کے قول کو قابلِ قبول قرار دیا جائے گا کہ ۲ر ذیقعدہ تاریخ تدفین ہے اور تقریب عرس ۹ر ربیع الآخر تاریخ وفات ہے۔

اعتذار حضرت قادر قمیص اعظمؒ کی سیرتِ مبارکہ کا موضوع بہت اہم اور تحقیق طلب ہے۔ میں نے اتنا ہی کیا ہے کہ جو کچھ بآسانی دستیاب ہو سکا مختصر سے وقت میں محترم ذیجاہ حضرت سید عبدالباسط شاہ قمیصی قادری مدظلہ العالی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہایت اعلیٰ وعلمی تحقیقی میدان میں کیا عجوبۂ روزگار کارنامہ انجام دیا ہے۔ قمیصی ہونے کے ناتے تاریخ وفات کا صحیح احصا ان سے متوقع تھا۔ مگر ذرا بھی ملتفت نہ ہو سکے۔

سجادہ نشین حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ ساڈھورہ اور نائب سجادہ نشین برخوردار سید عبد القیوم شاہ قمیصی قادری سلمہ اللہ تعالیٰ کی فرمائش سے یکجا فراہم کردیا ہے۔ اس سے مدعا یہ بھی ہے کہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کی سیرتِ مبارکہ پر تحقیق کا جذبہ روبکار آئے۔ اور آیندہ کے اہلِ قلم اس سے آگے قدم بڑھائیں اور نظروں سے اوجھل معلومات کو فراہم کریں تاکہ سیرتِ مبارکہ حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کا سبق آموز اور نظر افروز مرقع نذرِ ناظرین کرسکیں حضرت سید شاہ قادر قمیصِ اعظم قدس اللہ سرہ العزیز کے وسیلے سے بارگاہ مجیب الدعوات میں میری عاجزانہ یہ التجا ہے کہ اہلِ علم ونظر جوانانِ قوم کو اس موضوع پر کام کرنے اور سیر حاصل کام کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور ان کے قلمی شاہکار کو مقبولیت سے نوازے اور مجھ ناچیز کا انجام بخیر فرمائے آمین ثم آمین۔ ۲۰ ۱۲/۸۷

اخلاق حسین دہلوی

تذکروں میں تذکرہ

تذکرہ کہتے ہیں اس کتاب کو جس میں کسی ایک شعبۂ علم و عمل کے کاملین کے حالات مدون ہوتے ہیں مثلاً تذکرۂ اولیا، تذکرۂ علما، تذکرۂ شعرا، وغیرہ اولیاء ہندوپاک کے تذکرۂ اولیاء اللہ میں سیرالاولیا سب سے پہلا تذکرہ ہے جو مشائخ چشت رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال پر مشتمل ہے اس کے مصنف امیر خورد سید محمد کرمانیؒ ہیں جو پہلے ہندوستانی تذکرہ نویس ہیں اور جو حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے خوردسال مریدوں میں سے تھے۔ یہ تذکرہ نہایت معتبر و مستند ہے۔ البتہ مرور زمانہ سے الحاق و تحریف سے بقدر قلیل ملوث ہے۔

ایسے بھی کئی تذکرے دستیاب ہوتے ہیں جن میں حضرت قمیصِ اعظمؒ کا مختصر ذکرِ خیر ہے۔ اس باب میں تذکرہ نویسوں ہی کے بیانات کو پیش کرنا مقصود ہے تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ کس کس نے کتنی کتنی جامعیت سے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے جو حضرت قمیصِ اعظمؒ کی سوانح نگاری میں نشانِ منزل بھی ہیں۔ ان میں سے جو دستیاب ہوسکے ہیں وہ یہ ہیں:۔

اخبار الاخیار اخبار الاخیار کے مصنف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح (المتوفی ۱۰۵۱ھ / 1641) ہیں جو قادری المشرب اور حضرت قمیصِ اعظمؒ کے ہمعصر ہیں۔ ان کا تذکرہ ۹۹۹ھ / 1590 میں یعنی حضرت قمیص اعظمؒ کی وفات سے سات برس بعد تکمیل کو پہنچا ہے۔ مادۂ تاریخ یہ ہے ؏ گر گنی ذکر اولیاء احسن ۹۹۹ھ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بلند پایہ عالمِ دین و عارفِ طریقت اور مستند اہلِ قلم گزرے ہیں اور

حق یہ ہے کہ جس جامعیت و اہتمام اور عظمت و شان کے ساتھ انھوں نے حضرت قمیصِ اعظمؒ کا احوال قلمبند فرمایا ہے کوئی دوسرا ان سے سبقت نہیں لے جا سکا ہے اور وہ یہ ہے:۔

شاہ قمیص بن سید ابی الحیوٰۃ ایشاں نیز سلسلۂ نسب خود را بہ حضرت سید عبدالرزاقؒ می رسانند۔ از ولایتِ بنگالہ در لباس فقر و تجرید دریں دیارِ قدوم آوردہ در قصبۂ سالورہ خضرآباد رختِ اقامت نہاد۔ مدتے ہم بوضع فقر و تجرید می گزرانید۔ سید نصراللہ مردے بود عالم و عامل و صاحبِ حال و تبع و مستقیم جگر گوشۂ خود را در عقدِ نکاحِ او در آورد بعد از وقوعِ ایں تعلق او را توطن و سکونت ہماں جا اختیار وقت افتاد و قبولِ تمام و شہرتِ تام نصیبِ او شد و خلقِ کثیر از نواحیِ آں دیار در حلقۂ ارادت و عقیدت در آمدند و جمع از درویشانِ اہل نیز بخدمتش انتساب نمودند از آں جملہ شیخ عبدالرزاق المشہور بشیخ بہلول مرید و خلیفہ او ست۔ جامع است میانِ علمِ شریعت و طریقت از اوّل فطرت بر نشاۂ عبادت و تقویٰ و صلاح برآمدہ و بر عصمتِ ذاتی نشو و نما یافتہ و بعد

شاہ قمیصؒ بن سید ابی الحیات بھی اپنے سلسلۂ نسب کو حضرت سید عبدالرزاقؒ تک پہنچاتے ہیں وہ یعنی حضرت شاہ قادر قمیصؒ ملکِ بنگالہ سے فقر و تجرید کے لباس میں اس ملکِ ہند میں تشریف لائے اور قصبۂ ساڈھورہ خضرآباد میں مقیم ہوئے مدت تک فقر و تجرید کی حالت میں گزر بسر کی (ازدواجی تعلق بھی قائم نہیں کیا تھا) مگر ساڈھورہ ہی میں ایک بزرگ سید نصراللہ (واسطی) جو عالم و عامل بھی تھے صاحبِ حال و متبع شریعت و طریقت تھے وضع کے پابند اور مستقل مزاج تھے انھوں نے اپنی پیاری بیٹی سے آپ کا نکاح کر دیا (اور آپ متاہل زندگی گزارنے لگے) اس رشتے کے بعد آپ نے اقتضائے وقت سے یہیں یعنی ساڈھورہ ہی میں مستقل رہائش اختیار فرمالی۔ یہاں کے قیام میں آپ کو پوری پوری شہرت اور کامل مقبولیت حاصل ہوئی (گویا کہ یہاں مقیم ہونا مخلوق کے لیے بہت ہی مفید اور کارآمد ثابت ہوا) کہ اس علاقے کے اور آس پاس کے

تحصیلِ علومِ دینی بہ تہذیب اخلاق وتبدیلِ صفات موافق شدہ والحق دریں زماں در زمرۂ درویشاں وسالکان ایں چنیں مردم درسلوک ایں طریق و رسوخِ قدم واتباعِ سنت حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نادر وعزیز الوجود اند۔ وفات شاہ قمیص درولایت بنگالہ واقع شد بہ تقریب آں کہ سلطان عہد ایشاں را در آنجا فرستادہ بود[1] از آنجا ثالث ذی القعدہ سنہ اثنین وتسعین وتسعماۃ ہم بساڈورہ آوردہ مدفون ساختہ اند رحمۃ اللہ علیہ

رہنے والے رجو راہنما کے طالب تھے اور انھیں راہنما میسر نہ تھا) وہ بکثرت اور جوق درجوق آنے لگے اور حلقۂ ارادت وعقیدت میں داخل ہوتے چلے گئے (اور انھوں نے پوری پوری رہنمائی حاصل کرلی اور نہ صرف ان ہی نے بلکہ) صاحب کمال درویشوں کی جمعیت کی جمعیت بھی آپ سے وابستہ ہوگئی اور فیض پایا اور ان ہی میں سے ایک بزرگ شیخ عبدالرزاق ہیں جو شیخ بہلول[2] مشہور ہیں جو آپ کے مرید وخلیفہ ہیں۔ (مختصر یہ کہ حضرت قادر قمیصؒ) علمِ شریعت وطریقت کے جامع ہیں۔

---

[1] شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے یہ تو لکھا ہے کہ سلطانِ عہد ایشاں را در آں جا (بنگالہ) فرستادہ بود۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ کس تقریب سے بھیجا تھا۔ کب اور کس زمانے میں بھیجا تھا۔ سید اظہار احمد گیلانی صاحب نے تذکرۂ حضرت شاہ قمیص الاعظم ص ۱۶ میں کسی پیر جی سید نظام الدین کی تحقیق یہ لکھی ہے کہ یہ مغلیہ فوج کی بنگال وبہار کی بازیابی کی مہم تھی جس کے لیے آپ کی معاونت اور روحانی واخلاقی مدد ضروری سمجھی گئی الخ جملہ تو بے ربط ہے لیکن اس سے یہ مترشح ہے کہ حضرت قادر قمیصؒ سلطانِ عہد کے آلۂ کار تھے۔ دراں حالیکہ اولیاء اللہ کی یہ روش نہیں رہی ہے۔ اولیاء اللہ نہ تو کسی بادشاہ کے آلۂ کار بنتے ہیں اور نہ انھیں آلۂ کار بنایا جاتا ہے ان سے دعا کے لیے درخواست کی جاتی ہے اور ان کی مقبول دعا کی برکت سے کامیابی وکامرانی نصیب ہوجاتی ہے۔ میرے نزدیک ایسا کہنا اور سمجھنا حضرت قادر قمیصؒ کی پاکیزہ زندگی کو داغدار بنانا ہے۔ بہار وبنگالہ کی مہم کا آغاز ۹۸۳ھ/1575 میں اور فتحیابی کے ساتھ ۹۸۴ھ/1576 میں اختتام ہوا تھا اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت قادر قمیصؒ وفات سے دس سال پہلے بنگالہ چلے گئے تھے جو مشتبہ ہے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

انچہ در دیار ما مشہور است از سلاسل
کہ انتساب بہ ایں خاندانِ عظیم الشاں
دارند اینہا است کہ بیان کردہ شد
بہ ترتیبے کہ ذکر یافت ۔
(اخبار الاخیار ص ۱۹۵ - ۱۹۶ مطبوعہ ہاشمی
میرٹھ ۱۲۷۸ھ)

بچپن ہی سے آپ کی یعنی حضرت قادر قمیص ؒ
کی طبیعت عبادت و پرہیز گاری اور اصلاح
حال کی طرف مائل تھی ۔ آپ نے فطری صلاحیت
کے ساتھ پرورش پائی اور دینی علوم کے حصول
کی روشنی سے اپنے اخلاق و عادات کی تہذیب
فرمائی اور اعلیٰ صفات سے اپنے کو آراستہ
فرمایا یعنی اپنے کو شریعت وطریقت کے
سانچے میں ڈھال لیا ۔
سچ یہ ہے کہ اس زمانے میں سالکوں
اور درویشوں کے گروہ میں ایسے باکمال
جو سنت نبوی صلعم کی پیروی اور اتباع
میں اس قدر ثابت قدم بارسوخ اور
لائق اعتماد ہوں جیسے کہ حضرت قادر قمیص ؒ
ہیں نادر و نایاب زمانہ ہیں حضرت قادر
قمیص ؒ نے ملک بنگالہ میں انتقال فرمایا
اس تقریب سے کہ بادشاہِ وقت نے آپ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بہرحال بادشاہوں سے روابط رکھنے کو اظہارِ شان کا موجب سمجھنا ذہنیت کی پستی اور اخلاقی کم مائگی کا حاصل ہے ۔ معاذ اللہ ۔ ؎ شاہ عبد الحق محدث دہلوی ؒ کے بیان سے یہ بھی واضح ہے کہ ۳ ر ذی القعدہ تاریخِ تدفین ہے تاریخِ وفات نہیں ہے اس کی تصدیق سالانہ عرس سے بھی ہوتی ہے کہ ۔ ۔ ۔
. . . . سالانہ عرس ماہ ربیع الآخر میں ہوتا ہے اور اگرچہ آغاز ابتدائی تاریخ ہی سے ہو جاتا ہے اور ۱۳ کو ختم ہوتا ہے ۔ مگر ۹ تاریخ کو خصوصیت حاصل ہے اسی تاریخ کو چادر پوشی کی تقریب بھی ہوتی ہے اس سے یہ واضح ہے کہ تاریخ وفات ۹ ر ربیع الآخر ہی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

بنگالہ بھیج دیا تھا ۳ ر ذی القعدہ ۹۹۲ھ کو ساڈھورہ لاکر آپ کو دفن کیا۔ رحمتہ اللہ علیہ اور جیساکہ ہمارے ملک میں اور اُن سلاسل میں مشہور ہے جو اس عظیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں وہ یہی کچھ ہے جو ترتیب سے ذکر کر دیا ہے۔

خزینتہ الاصفیاء خزینتہ الاصفیاء، اسم بامسمیٰ احوالِ اصفیاء، و اذکیا کا خزینہ ہی ہے۔ دو جلدوں میں ہے۔ جن کا مجموعی حجم ۱۱۶۴ صفحات ہے۔ یہ کتاب مشہور و مستند عالمِ دین اور معروف اہلِ قلم مفتی غلام سرور لاہوریؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ/1890ء) کی تصنیف ہے جو ۱۲۸۱ھ/1864ء میں تکمیل کو پہنچی اور ۱۳۳۲ھ/1914ء میں مطبع نولکشور کانپور سے شائع ہوئی تھی اور اب کمیاب ہے۔ حضرت قُمیصِ اعظمؒ سے متعلق لکھا ہے:۔

شاہ قُمیص بن سید ابی الحیات گیلانی قدس سرہٗ از بزرگانِ دین و مشائخِ اہلِ یقین است۔ نسبتِ آبائی آں بزرگوار بقول صاحبِ شجرۃ الانوار بہ چند واسطہ بہ حضرت عبدالرزاقؒ بن سید الکونین غوث الثقلین محبوب سبحانیؒ می رسد بدیں طریق کہ سید شاہ قُمیص[۱] بن ابی الحیاتؒ[۲] بن تاج الدین[۳] محمود بن بہاء الدین[۴] محمد بن جلال الدین[۵] احمد بن شاہ داؤد[۶] بن جمال علی بن ابی صالح[۸] نصر بن سید الآفاق عبدالرزاق[۹]ؒ گیلانیؒ بن غوث الاعظم محی الدین

شاہ قُمیص بن سید ابی الحیات گیلانی قدس سرہٗ بزرگانِ دین و مشائخِ اہلِ یقین سے ہیں۔ صاحبِ شجرۃ الانوار کے بقول آبائی نسب آپ کا چند واسطوں سے حضرت سید عبدالرزاقؒ بن سید الکونین غوث الثقلین محبوب سبحانیؒ تک اس طرح پہنچتا ہے کہ سید شاہ قُمیص[۱] بن ابی الحیات[۲] بن تاج الدین[۳] محمود بن بہاء الدین[۴] محمد بن جلال الدین[۵] احمد بن شاہ داؤد[۶] بن جمال الدین علی بن ابی صالح[۸] نصر بن سید الآفاق عبدالرزاق[۹] گیلانیؒ بن غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر[۱۰] جیلانی

عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ در دیارِ
ہندوستان (ہند و پاک) سلسلۂ عالیہ
قادریہ از ذات بابرکات سید ابی الحیاتؒ
و شاہ قمیصؒ جاری شد و وے اول
از اقالیم بنگالہ در لباس فقر و تجرید در
قصبۂ سالورہ خضر آباد تشریف آورد
و طرح اقامت انداخت و شخصے نصراللہ
نامی کہ عالم و عامل و صاحبِ حال و قال
بود صبیۂ سعیدۂ خود را بہ عقدِ نکاح
وے در آورد۔ و شہرت تمام و قبول
عظیم نصیبِ آں جناب شد و خلقِ کثیر
از نواحی آں دیار در حلقۂ اطاعت وے
در آمدند و بسیارے از ایشاں بکمالات
ظاہری و باطنی رسیدند۔ از آں جملہ
سید عبدالرزاق المشہور شیخ بہلول کہ
جامع علومِ شریعت و طریقت و حقیقت
بود از خلفائے کاملین شاہ قمیصؒ است
وفاتِ شاہ قمیصؒ بتاریخ سوم ذیقعدہ
سال نہ صد و نود و دو ہجری است۔
در ولایتِ بنگالہ بوقوع آمدہ و نعش
مبارک وے از آں جا بہ سالورہ آوردہ
دفن کردند۔

(خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۱۳۵)

رضی اللہ عنہ۔

ہندوستان (ہند و پاک) میں سلسلۂ
قادریہ حضرتِ سید ابی الحیاتؒ اور حضرت
سید شاہ قمیصؒ ہی کی ذاتِ بابرکات سے
چلا ہے۔ اور آپ یعنی حضرت سید شاہ
قمیصِ اعظم قدس سرہٗ اقالیم بنگالہ سے
لباسِ فقر و تجرید میں سب سے پہلے قصبہ
ساڈھورہ خضر آباد میں آئے (جہاں آپ
سے پہلے مشائخِ قادریہ میں سے کوئی نہیں
آیا تھا) اور سکونت اختیار کی۔ اور نصراللہ
نامی ایک بزرگ نے جو عالم و عامل اور
صاحبِ حال و قال تھے اپنی دخترِ نیک اختر
کا نکاح آپ سے کر دیا (الغرض ساڈھورہ
کے قیام میں) آپ کو پوری پوری شہرت
اور پوری پوری مقبولیت حاصل ہوئی
اور اس علاقے کے ارد گرد کے رہنے
والے بکثرت آپ کے حلقۂ ارادت
و عقیدت میں داخل ہو گئے (اور اطاعت
کرنے لگے) اُن میں سے بہت سے ظاہری
و باطنی کمال کو بھی پہنچے۔ ان ہی میں سے
ایک سید عبدالرزاقؒ ہیں جو شیخ بہلولؒ
کے لقب سے مشہور ہیں۔ وہ جامع شریعت
و طریقت اور حقیقت تھے جو آپ کے

خلفائے کاملین میں سے ہیں۔ حضرت سید
شاہ قمیصِ اعظمؒ نے ۳ر ذیقعدہ ۹۹۲ھ
کو ملکِ بنگالہ میں وفات پائی اور آپ کی
مبارک نعش کو بنگالہ سے لاکر ساڈھورہ
میں دفن کیا (یُزَارُ وَیَتَبَرَّکُ بِہٖ)

قصرِ عارفاں

تذکرہ قصرِ عارفاں حافظ احمد علی خیرآبادی چشتی فخری سلیمانی المتوفی ۱۲۶۶ھ/1850 کی تصنیف ہے۔ اس کی تلخیص ۱۳۸۵ھ/1965 میں اورینٹل کالج لاہور (پاکستان) میں شائع ہوئی ہے۔ یہ بھی کئی جلدوں میں ہے۔ اصل کتاب نایاب ہے۔ اصل کتاب کا ایک قلمی نسخہ میرے ایک بزرگ ڈپٹی مظفر حسین مرحوم ساکن مہم ضلع حصار کے پاس تھا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ان کے اخلاف پاکستان چلے گئے تو ان کا یہ علمی ذخیرہ بھی برباد ہوگیا قضاءً عند اللہ یہ کتاب چودھری حبیب اللہ مرحوم ساکن روہتک کے ہاتھ لگی۔ انھوں نے لاکر مجھے دیدی۔ چودھری حبیب اللہ مرحوم بڑے باہمت بزرگ تھے۔ اگرچہ اس علاقہ سے سب ہی ترکِ وطن کر گئے تھے مگر صرف وہی مع اہل وعیال مقیم رہے۔ صوم وصلوٰۃ کے بہت ہی پابند تھے اور تاحیات علی الاعلان دینی خدمات انجام دیتے رہے خدائے پاک مغفرت فرمائے۔ چودھری صاحب نے قصرِ عارفاں کا جو نسخہ مجھے عنایت فرمایا تھا وہ مدتوں میرے پاس رہا۔ ایک صاحب آئے جو شیخ موسیٰؒ پلوی کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ میں نے یہ کتاب نکلواکر انھیں دکھائی پھر رکھوادی۔ پھر جو مجھے ضرورت ہوئی تو وہ غائب تھی۔ کس نے سرقہ کیا خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے معاف کیا خدا بھی معاف فرمائے۔ بہرحال حافظ احمد علی مرحوم نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

سید شاہ قمیصِ قادریؒ نسب عالی دے ہم بہ سید عبدالرزاقؒ ممدوح می پیوندد۔ بہ تقریبِ سیاحت وارد ہند

سید شاہ قمیصِ اعظمؒ۔ آپ کا سلسلۂ نسب عالی حضرت عبدالرزاقؒ قدس اللہ سرہٗ سے جا ملتا ہے۔ آپ

گردید۔ چندے در بنگالہ بسر برد۔ بعدِ آں بدیارِ پنجاب آمد۔ حوالی دامنِ کوہِ شمال در ساڈھورہ مضافِ خضر آباد نسبتِ مناکحت در خاندان ملا سید نصراللہ خضر آبادی استقامت گرفت و قبولِ عظیم یافت۔ در سال نہ صد و نود و دو [۹۹۲] وفات او در بنگالہ کہ بہ تقریبے آں جا وارد بود اتفاق افتاد۔ نعش وے را بساڈھورہ آوردند۔ جمعے از درویشانِ حق پرست روے ارادت بروے آوردہ بودند بعضے کامیابِ مقاصدِ عقبیٰ گردیدند۔ اولادِ امجادِ وے تاحال جمع وافر دراں آبادی سکونت دارند و برمزار فائض الانوارش عمارت رفیع قائم۔

(ص ۴۸۶ تلخیص)

سیر و سیاحت کی غرض سے ہندوستان آئے[1] کچھ مدت بنگالہ میں رہے پھر آپ پنجاب آئے کوہ شمالی کے دامن میں قصبہ ساڈھورہ ہے جو خضر آباد کے مضافات میں ہے وہاں آپ نے ملاّ سید نصراللہ خضر آبادی کے خاندان میں شادی کی اور وہیں سکونت اختیار کی اور بڑی مقبولیت حاصل کی۔ آپ کسی تقریب سے بنگالہ گئے تھے۔ بنگالہ ہی میں ۹۹۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کی میت کو ساڈھورہ لے آئے تھے۔ درویشانِ حق پرست کی جماعت آپ کے حلقۂ مریدی میں داخل ہوئی ان میں سے بعضے مقاصد عقبیٰ میں کامیاب ہوئے یعنی اولیاءاللہ میں سے ہو گئے۔ آپ کی بزرگ اولاد بکثرت اسی بستی (ساڈھورہ) میں ابھی تک آباد ہے[2]۔ آپ کے مزار فیض انوار پر بلند عمارت یعنی مقبرہ بنا ہوا ہے۔

---

[1] حضرت شاہ قمیصِ اعظمؒ نہیں آئے تھے بلکہ آپ کے جدِ محترم اور والدِ بزرگوار آئے تھے آپ بنگالہ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔

[2] ۱۹۴۷ء میں ساڈھورہ کے سب ہی مسلمان پاکستان چلے گئے۔ آپ کی اولاد میں سے اب ساڈھورہ میں صرف آپ کے جانشین حضرت سید عبدالباسط شاہ صاحب مدظلہ العالی مع اہل و عیال سکونت پذیر ہیں۔

تذکرۃ الفقرا تذکرۃ الفقرا شہزادہ احمد اختر خلف اکبر شہزادہ محمد دارا بخت ابن ابوظفر سراج الدین بہادر آخری تاجدار خاندان مغلیہ کی تصنیف ہے یہ ۶۴ صفحے کا مختصر سا رسالہ ہے جس میں موصوف نے اپنی مختصر و منتشر معلومات کو عنوانات کے تحت جمع کیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ میں فخر المطابع لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ موصوف لکھتے ہیں:-

گیارھواں گروہ قمیصیہ — سید شاہ قمیصؒ بن ابی الحیات گیلانی سے جاری ہوا کہ سلسلہ خلفاء اور جدی آپ کا حضرت پیران پیرؒ سے اسطرح ملتا ہے یعنی شاہ قمیصؒ بن سید ابی الحیاتؒ بن تاج الدینؒ محمد[1] بن سید بہاء الدین محمد بن سید جلال الدین احمد بن شاہ داؤد بن سید جمال الدین علی بن سید ابی صالحؒ بن سید السادات سید عبدالرزاق گیلانی قدس اللہ اسرارہم بتاریخ ۲[2] ماہ ذیقعدہ ۹۹۲ھ میں وفات پائی۔ اس گروہ کے فقیر ملکِ بنگالہ میں اکثر دیکھے ہیں[3] اور وفات حضرت کی ملکِ بنگالہ میں ہوئی

(ص ۲۷)

شہزادہ احمد اختر مرحوم نے اپنے اس کتابچہ میں بکثرت اولیاء اللہ کے مزارات کی نشاندہی کی ہے۔ مگر ہمسایہ (ساکن کرانہ ضلع منظفر نگر) ہونے کے باوجود حضرت قمیصِ اعظمؒ کے مزارِ پر انوار کا پتہ نشان بھی نہیں بتا سکے ہیں۔ البتہ یہ خصوصی اضافہ فرمایا ہے کہ "اس گروہ کے فقیر ملکِ بنگالہ میں اکثر دیکھے ہیں جس کی کسی اور تذکرے سے تصدیق نہیں ہوتی۔ تعجب ہے کہ کالے کوسوں دور کی تو خبر ہے، گھر کی خبر کچھ بھی نہیں۔

---

[1] مفتی غلام سرورؒ نے تاج الدین محمود لکھا ہے جو قرین قیاس ہے۔

[2] دیگر تذکرہ نویسوں نے ۲ نہیں ۳ ذی القعدہ لکھا ہے۔ اسی کو ترجیح ہے۔ مگر یہ بھی تاریخ تدفین ہے، تاریخ وفات نہیں ہے۔

[3] گیلانی صاحب نے یہ اصلاح فرمائی ہے کہ فعل معروف کو فعل مجہول بنا دیا ہے (دیکھے گئے ہیں)

تذکرہ اولیائے ہند | تذکرہ اولیائے ہند مرزا محمد اختر صاحب دہلوی کی تصنیف ہے۔ جو تیسری بار ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ میں میور پریس دہلی سے شائع ہوا تھا اور ۱۹۴۷ء کے بعد سے یہی تذکرۂ اولیائے ہند و پاک کے نام سے شائع ہوتا رہا ہے یہ تین جلدوں میں ہے مجموعی حجم ۵۰۰ صفحات ہے مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

ذکر حضرت شاہ قمیص قدس اللہ سرہ العزیز ___ حضرت فرزند سید ابی الحیاتؒ گیلانی بن سید تاج الدین محمودؒ بن سید بہاء الدین محمدؒ) بن سید جلال الدینؒ احمد بن سید شاہ داؤدؒ بن سید جمال الدین علیؒ بن ابی صالحؒ نصر بن سید عبدالرزاقؒ بن حضرت غوث پاکؒ۔ یہ حضرت صاحبِ سلسلہ اور گ. وہ ہوئے ہیں کہ ان کے فقیر قمیصیہ کہلاتے ہیں۔ پہلے سکونت حضرت کی بنگالہ میں (دیھر) بمقام سالورہ خضر آباد میں تھی۔ اور تجرید و تفرید کے ساتھ بسر فرماتے تھے۔ بعدہٗ نصراللہ نامی ایک بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنی لڑکی سے حضرت کا نکاح کیا۔ بعدہٗ شہرہ کمال آپ کا بلند ہوا۔ ہزاروں مرید ہوئے بہت سے خلیفہ ہو کر اطرافِ عالم میں پھیلے۔ وفات حضرت کی ۳ ر ذی قعدہ ۹۹۲ھ میں ہوئی۔ مزار سالورہ میں ہے۔ بعد آپ کے سید عبدالرزاق خلیفہ آپ کے صاحب سجادہ ہوئے (ص ۲۷ جلد سوم)

تحفتہ الابرار | تحفتہ الابرار تاریخی نام ہے جس سے سنہ تصنیف ۱۳۲۲ھ برآمد ہوتا ہے اصل نام کلیاتِ جدولیہ فی احوالِ اولیاء اللہ ہے۔ یہ تذکرہ مرزا آفتاب بیگ کی تصنیف ہے جو مطبع رضوی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ مرزا صاحب نے جدول بنا کر احوال لکھے ہیں بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے:۔

قسم خانوادہ :۔ پیشوائے قادریہ سر منشاء قمیصیہ

نام مقدس صاحبانِ خانوادہ :۔ حضرت قمیص بن سید ابی الحیات گیلانی ساڈھوروی

جائے تاریخِ ولادت :۔ ساڈھورہ

تاریخِ وفات :۔ ۳ ر ذی قعدہ ۹۹۲ھ

مقامِ مزار :۔ ساڈھورہ ضلع انبالہ[1]۔

حوالۂ کتب :۔ اخبار الاخیار :۔

کیفیت مختصر حالاتِ ضروری :۔ آپ کا شجرۂ نسب بچند واسطۂ درمیانی بحضرت غوث الاعظم پہنچتا ہے۔ آپ کے والد شریف اول بغداد سے ہند میں آئے اور ملک بنگالہ سے ہوتے ہوئے قصبۂ ساڈھورہ خضر آباد ضلع انبالہ میں آن کر سکونت اختیار کی اور وہاں ایک شخص نصر اللہ نام نے جو عالم عامل تھا اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اوس کے بطن سے حضرت شاہ قمیصؒ پیدا ہوئے وہ ولی مادر زاد تھے۔ آپ کے والدِ بزرگوار نے آپ کو ظاہری و باطنی تکمیل سے مالا مال کر دیا اور ہزاروں آپ کی ذات سے کمالاتِ ظاہری و باطنی کو پہنچے گویا سلسلۂ قادریہ آپ ہی کی ذات سے ہند میں شائع ہوا وفات آپ کی بنگالہ میں ہوئی اور دفن ساڈھورہ میں کیا۔ سید عبدالرزاق معروف شیخ بہلول آپ کے خلیفہ کاملین سے تھے (ص ۳۰)

سبحان اللہ سچ کہا ہے ؏ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ آفتاب کیا تھے سراسر ظلمات تھے۔ غلط ہی سمجھا غلط ہی لکھا۔ جورو کو اماں بنا دیا ہے۔ ستم ظریفی یہ کی کہ حوالے میں اخبار الاخیار کا نام لکھا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ تذکرہ نگار کو فارسی میں شُد بُد بھی نہ تھی جو کچھ انھوں نے لکھا ہے وہ بھلا اخبار الاخیار میں کہاں ہے۔ اس باکمال نے جس کا حال لکھا ہے یہی کیا ہے کہ کچھ کا کچھ لکھ دیا ہے صاحب سیر الاولیا، امیر خورد کرمانی کا نام لکھا ہے امیر خورد سید محمد بن سید محمود حالانکہ سید محمود امیر خورد کرمانیؒ کے پردادا تھے غرض کہ یہ شخص نہایت ہی غلط نویس ہے اس کی کوئی بات لائق پذیرائی نہیں ہے۔ تعجب نہیں کہ مرفوع العقل ہو۔

حدیقۃ الاولیاء حدیقۃ الاولیاء نامی کتاب ١٣٩٦ھ / 1976 میں معارف پریس لاہور (پاکستان) سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور مصنف کا نام مفتی غلام سرور لکھا ہے۔ میں نے اسے ایک تاجر کتب کی دکان پر دیکھا تھا اور حضرت قمیص اعظمؒ کا حال نقل کر لیا تھا اور وہ یہ ہے :۔

[1] سال ١٩٩١ء سے انبالہ کی بجائے ضلع جمنا نگر میں شامل ہے۔

شاہ قمیص ۔۔۔۔ یہ بزرگوار بزرگانِ دین اور مشائخ اہلِ یقین سے جامع شریعت و طریقت علوم ظاہری و باطنی ہوئے ہیں۔ شجرۂ نسب ان کا بچند واسطۂ درمیانی بحضرت محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی ۔۔۔۔ شیخ عبدالقادر محی الدین قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ اس طرح پر شاہ قمیص گیلانی بن سید ابی الحیات بن تاج الدین محمود بن بہاء الدین محمد بن جلال الدین احمد بن شاہ داؤد بن جمال الدین علی بن ابی صالح نصر بن سید آفاق عبدالرزاقؒ بن حضرت غوث الاعظم محی الدین رضی اللہ عنہ آپ کے باپ ابی الحیات اول بغداد سے ہند میں آئے اور چندے بنگال میں تشریف رکھی پھر قصبہ ساڈھورہ خضر آباد جوانبالہ کے علاقہ میں ہے آئے۔ اور سکونت کی اور ایک شخص نصراللہ نام نے جو عالم و عامل تھے۔ اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دیدی۔ اس کے بطن سے سید شاہ قمیصؒ پیدا ہوئے جو مادرزاد ولی تھے۔ باپ نے ان کو ظاہری و باطنی تعلیم دی۔ ہزاروں ان کی ذات سے کمالات صوری و معنوی کو پہنچے گویا سلسلۂ قادریہ ان کی ذات بابرکات سے ہند میں شائع ہوا۔ ان کی اولاد اب بھی ساڈھورہ میں رہتی ہے۔ وفات شاہ قمیص سوم ذی القعدہ سال نوسو بانوے میں وقوع میں آئی۔ مقبرہ ہے۔ (ص ۴)

حدیقۃ الاولیاء کے اس بیان کو دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ شروع سے شجرۂ نسب کے اختتام تک۔ دوسرا حصہ حضرت سید ابی الحیاتؒ کی آمدِ بغداد سے آخر تک۔ پہلا حصہ خزینۃ الاصفیاء، مصنف مفتی غلام سرور لاہوریؒ کے بیان کے مطابق ہے۔ دوسرا حصہ خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور لاہوریؒ کے بیان کے مطابق نہیں۔ ہے جنھیں حدیقۃ الاولیاء، کا مصنف بھی بنایا گیا ہے بلکہ مرزا آفتاب بیگ مصنف تحفۃ الابرار کے بیان کے مطابق ہے اور اس قدر مطابقت ہے کہ بعض جملے مشترک ہیں یا ان میں ادنیٰ سا فرق ہے اور وہ یہ ہیں:۔

تحفۃ الابرار

آپ کے والد شریف اول بغداد سے ہند میں آئے۔ ایک شخص نصراللہ نام نے جو عالم و عامل تھے۔ اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اوس کے بطن سے حضرت شاہ قمیص پیدا ہوئے جو ولی مادرزاد تھے۔

ہزاروں آپ کی ذات سے کمالاتِ ظاہری و باطنی کو پہنچے گویا سلسلۂ قادریہ آپ ہی کی ذات سے ہند میں شائع ہوا۔

حدیقۃ الاولیاء

آپ کے باپ ابی الحیات اول بغداد سے ہند میں آئے۔ ایک شخص نصراللہ نام نے جو عالم و عامل تھے۔ اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دیدی۔ اس کے بطن سے سید شاہ قمیص پیدا ہوئے جو مادرزاد ولی تھے۔

ہزاروں ان کی ذات سے کمالاتِ صوری و معنوی کو پہنچے گویا سلسلۂ قادریہ ان کی ذات بابرکات سے ہند میں شائع ہوا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ کے بیان میں جو ضمیر دے واقعہ ہوئی ہے اس کا مرجع غلط قرار دے لیا ہو حالانکہ سیاق و سباقِ بیان سے اس کا مرجع واضح ہے کہ مرجع ہیں حضرت قمیص اعظمؒ۔ اور اگرچہ مترجم کے پیشِ نظر کتاب خوارقاتِ شاہ قمیص قادریؒ بھی ہے۔ جو خزینۃ الاصفیاء سے بھی نصف صدی پہلے کی تصنیف ہے۔ جس میں واضح طور پر یہ موجود ہے کہ حضرت قمیصِ اعظمؒ ہی ساڈھورہ تشریف فرما ہوئے اور ان ہی سے سید نصراللہ واسطیؒ نے اپنی دخترِ نیک اختر کا نکاح کیا تھا دیگر مستند تذکرے بھی ہمنوا و متفق ہیں اور ان میں اخبار الاخیار کو فوقیت ہے کہ اس کے مصنف ہمعصر بھی ہیں اور جید عالم و عارف بھی اور یہی اولین تذکرہ ہے حضرت قمیصِ اعظمؒ کے ذکر کے باب میں۔ اس کے علاوہ یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت قمیص اعظمؒ بیشک مادرزاد ولی تھے لیکن کسی معتبر تذکرہ نویس نے اس وصف کا ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ صاحب خوارقات .... نے صاحبزادہ سید محمد قادریؒ کے متعلق حضرت قمیصِ اعظمؒ کی زبانی یہ نقل کیا ہے کہ ولی مادرزاد از شکم بی بی عائشہ متولد خواہد شد (ص ۴۴۲) جسے اپنے زعمِ باطل سے اپنے بے سروپا خیال کی تقویت کے لیے حضرت قمیصِ اعظمؒ کے حال میں

حال میں شامل کر دیا ہے جو ہذیان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے[1] بہرحال یہ کہنا یا یہ سمجھنا کہ حضرت قادر قمیصؒ بی بی عائشہ بنت سید نصر اللہ واسطی کے بطن سے تولد ہوئے سراسر لغو ہے اور باعث سخت ندامت و خجالت ہے۔ استغفر اللہ۔

نزہت الخواطر کتاب نزہت الخواطر مشائخ ہند رحمہم اللہ تعالیٰ کا ضخیم تذکرہ ہے۔ جس کی آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اس کی چوتھی جلد میں حضرت قادر قمیصِ قادریؒ کا مبارک ذکر ہے۔ یہ کتاب حضرت مولانا سید عبدالحی (رائے بریلی) رحمتہ اللہ علیہ کی سعیِ جمیل کا ثمرہ ہے۔ حضرت مولانا نے قدیم و متداول تذکروں سے اولیاء اللہ کے حالات اخذ کر کے اختصار و جامعیت کے ساتھ عربی زبان میں قلمبند فرمائے ہیں۔ زبان نہایت شائستہ و پاکیزہ سہل الممتنع ہے۔ اسلوب بیان پرکیف اور جاذبِ توجہ ہے۔ حضرت مولانا کی اس سعیِ مقبول سے عظیم ترین نفع یہ ہے کہ ان ممالک کے باشندے جن کی مادری زبان عربی ہے۔ مشائخ ہند و پاک رحمہم اللہ تعالیٰ کے مبارک حال و احوال کے مطالعہ سے خاطر خواہ نفع اندوز ہو سکتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۷۴ھ / 1954ء میں مطبع دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد (آندھرا پردیس انڈیا) سے شائع ہوئی ہے۔ حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں:۔

الشیخ قمیص القادری الساڈھوروی	حضرت شیخ قمیص قادری ساڈھوروی
السید الشریف قمیص بن ابی الحیات بن محمود بن محمد بن احمد بن داؤد بن علی بن ابی صالح نصر بن عبد الرزاق بن عبد القادر جیلانی	السید الشریف قمیص (ساڈھوروی) بن ابی حیات بن محمود بن محمد بن احمد بن داؤد بن علی بن ابی صالح نصر بن عبد الرزاقؒ بن عبد القادر جیلانی (رحمہم اللہ تعالیٰ) وہ ہندوستان کے شہرۂ آفاق مشائخ میں سے تھے ملکِ بنگالہ

[1] تعجب ہے کہ سید اظہار احمد گیلانی صاحب نے اس بیہودہ مرفوع العقل کی کتاب کو مستند جان کر اپنے دعوے پر اس کے بیان کو بطور دلیل پیش کیا ہے معاذ اللہ منہا۔ (ص ۱۲)

السادھوروی کانَ مِن المشائخ المشهورین فی ارضِ الهند قدم من بنگاله و دخل بخضر آباد دهلی فزوجه الشیخ العالم نصراللہ الواسطی بکر یمته فسکن بها۔ ورزق حسن القبول۔ اخذ عنه الشیخ عبد الرزّاق المحدث المشهور بهلول وخلق کثیر من العلماء والمشائخ ۔ توفی لثلاث خلون من ذی القعده سنة اثنین وتسعین وتسع مأئة بارض بنگاله فنقلوا جسده الٰی خضرآباد (سادهوره) ودفنوا بها۔ ذکرہٗ الشیخ فی اخبار الاخیار[1]

سے آئے اور خضر آباد دہلی پہنچے۔ بزرگ ترین عالم نصراللہ واسطیؒ نے اپنی صاحبزادی کی شادی ان سے کردی پھر وہیں (ساڈھورہ ہی میں) انھوں نے سکونت اختیار کرلی اور انھیں بہت ہی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اُن سے حضرت شیخ عبدالرّزاق محدثؒ نے اور بکثرت علماء و مشائخ نے استفادہ کیا۔

۳ ذی القعدہ ۹۹۲ھ کو ملکِ بنگالہ میں وفات پائی۔ ان کی میت کو ملکِ بنگالہ سے خضر آباد (ساڈھورہ) لائے اور وہیں انھیں دفن کیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں اُن کا ذکر کیا۔

- - - - - - - - -

اس بیان میں یہ دو جملے (۱) کان من المشائخ المشهورین فی ارض الهند (۲) اخذ عنه الشیخ عبد الرزّاق المحدث المشهور بهلول وخلق کثیر من العلماء و المشائخ بہت ہی اہمیت رکھتے ہیں جو حضرت قادر قمیصِ اعظمؒ کی اعلیٰ شخصیت کے آئینہ دار ہیں۔

---

[1] کتاب نزہت الخواطر کا یہ اقتباس عرشی زادۂ محترم جناب اکبر علی خاں صاحب ڈائرکٹر رضا لائبریری رامپور انڈیا اور فاضل دینیات حضرت مولانا نظر علی خاں صاحب مدظلہٗ افسر اعلیٰ کویت ایمبسی نئی دہلی کے شکریہ کے ساتھ شامل ہذا ہے۔

تذکرہ ثمرات القدس

اِس تذکرے کا پورا نام "**ثمرات القدس من شجرات الانس**" ہے۔ یہ لعل بیگ لعلی (المتوفی ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۴ء) کی تصنیف ہے جو شہزادہ مراد بن شاہجہاں بادشاہ کے بخشی تھے۔ اس تذکرہ میں ۵۸۹ مشائخِ ہند و پاک کا احوال ہے۔ لعل بیگ لعلی کی وفات کے بعد اُسے ان کے دوست خواص خاں نے مرتب کیا تھا۔ یہ تذکرہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔ اس کے دو نسخے دستیاب ہیں۔ ایک سالار جنگ میوزیم حیدرآباد (آندھرا پردیش) میں ہے اور دُوسرا قومی میوزیم کراچی (پاکستان) میں ہے۔

میں محترم جناب ڈاکٹر رحمت علی خاں صاحب مدظلہ العالی محافظ شعبۂ مخطوطات سالار جنگ میوزیم حیدرآباد کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ازراہِ علم نوازی و کرم گستری اس تذکرے سے استفادہ کی سہولت عنایت فرمائی نیز میں جناب محترم تاج الدین صاحب حیدرآبادی مدظلہ العالی کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے نقل فرماکر حضرت شاہ قمیص اعظم قادری قدس اللہ سرہ العزیز کا احوال بھیجا۔

متن کتاب میں حضرت شاہ قمیصِ اعظمؒ کا احوال مختصر سا ہے۔ البتہ حاشیہ میں قدرے وضاحت سے ہے۔ غالباً کاتب نے متن میں نہیں لکھا جو بوقتِ مقابلہ حاشیہ پر لکھ دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے:

شیخ قمیص قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔ وے نیز از مشاہیر سلسلۂ عالیہ قادریہ است۔ در قصبۂ سادھورہ کہ از سرکار دہلی[1] است مقام داشت (حاشیہ) وے نسبتِ خود را بسلسلۂ حضرت سید عبدالرزاقؒ می رساند۔ وے از جانبِ بنگ در زی فقر و تجرید بملک[2] دہلی آمد و در قصبۂ مذکورہ زاویہ ساختہ متوطن گشت۔ می آرند سید نصر اللہ نام سیدے عالم و متقی نرلیفتۂ اخلاقِ حمیدۂ وے گشتہ جبینۂ [illegible] در پردۂ عصمت خود

شیخ قمیص قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔ وہ بھی سلسلۂ عالیہ قادریہ کے مشہور ترین لوگوں میں سے ہیں۔ وہ قصبۂ سادھورہ میں رہتے تھے جو سرکار دہلی میں سے ہے۔ (حاشیہ) وہ اپنی (نسبی اور روحانی) نسبت کو حضرت سید عبدالرزاقؒ (ابن حضرت پیرانِ پیر دستگیرؒ) کو پہنچاتے ہیں۔ وہ ترک و تجرید کے لباس میں ملک بنگالہ سے ملک دہلی میں آئے اور قصبۂ مذکور میں چھوٹی سی جگہ قیام گاہ بنائی اور رہنے لگے تھے بیان کرتے ہیں کہ سید نصر اللہ جو عالم و متقی تھے ان کے یعنی حضرت شاہ قمیص کے

---

[1] [illegible] دہلی [illegible] تھا کہ قریب میں لدھیانہ مشرق میں پلول جنوب میں ریواڑی شمال میں کوہ کمایوں۔
[2] [illegible] (۴۳) [illegible] اس رقبے کو سرکار دہلی اور ملک دہلی بھی کہتے تھے۔

مستور داشت ...... [1]

سنت سنیہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
درحبالۂ نکاحِ وے در آورد۔ بعد از
چندگاہ خدمتِ وے درون آستانہ
پذیر آمد و بسیارے از خلائق دستِ
بیعت بہ وے آوردند خدمت وے
درغایت تقوی و نہایت ورع ......
و در ایں باب بر جمیع مشائخ وقت تفوق
عظیم داشت و ہیچ یک مشائخ عہد را
بروے دستے نہ بود۔ مظہر بود از مظاہرِ الٰہی
و آیتے بود از آیاتِ خدائی خوارق و کرامات
از وے بسیار سر بر زدہ۔ سرّے خود را از
اصحاب خود پوشیدہ می داشت و اجتناب
کلّی می نمود ...... ہمچناں اگر بدانستگی خود
...... از اولیائے وقت بے سببے
خوارق و کرامت خود را ظاہر گرداند
وے را از میانِ خود بیروں کنند
و از خود ندانند۔ بعد وفاتِ وے
در ثالث ذی قعدہ ۹۹۲ھ در قصبۂ مذکورہ
مدفون گردید۔ (تذکرہ ثمرات القدس قلمی ص ۵۱۳)

اخلاق حمیدۂ دلپسندیدہ پر فریفتہ ہوگئے۔ اور اپنی
صاحبزادی کو جو اپنے پردۂ عصمت میں پوشیدہ تھیں۔
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنّتِ
سنیہ کے مُطابق ان کے نکاح میں دیدیا۔ کہتے ہیں
کہ کچھ دنوں بعد وہ یعنی حضرت قُمیص ان کے دولتکدہ
میں رہنے لگے مخلوق میں سے بہت سے ان کے
مرید ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی متقی اور پرہیزگار
بزرگ تھے اور اس وصف میں وہ اپنے عہد کے
بزرگوں میں سب سے فوقیت رکھتے تھے۔ اس
زمانے کے بزرگوں میں سے کوئی بھی ان سے فوقیت
نہیں رکھتا تھا۔ وہ مظاہر الٰہی کے مظہر تھے اور اللہ پاک
کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے ان سے بہت سی
کرامتیں ظاہر ہوئیں (حالانکہ) وہ اپنے راز کو اپنے دوستوں
سے بھی پوشیدہ رکھتے تھے اور ان کے اظہار سے پُوری طرح
بچے رہتے تھے ...... ایسے ہی کہ اگر اولیائے عصر
میں سے کوئی بلا سبب اپنی کرامتوں کا اظہار کرتا تو
اسے اپنوں میں سے الگ کر دیتے اور اپنوں میں
سے نہ جانتے تھے، ان کی وفات کے بعد تین ماہ
ذیقعدہ ۹۹۲ھ کو قصبۂ مذکورہ (ساڈھورا)
میں انھیں دفن کیا۔

شہرِ پُرزیب ساڈھورہ

ساڈھورہ تحصیل نارائن گڑھ ضلع انبالہ[1] ہریانہ پرانت انڈیا کا قدیم اور معروف قصبہ ہے جس کی حدود زمانۂ قدیم میں بہت وسیع تھیں۔ کہتے ہیں کہ ساڈھورہ اصل میں سادھورہ ہے۔ زمانۂ قدیم میں سادھو جو پہاڑ پر آتے جاتے تھے وہ یہیں سے گزرتے تھے اور کبھی کبھی یہیں کچھ دیر قیام بھی کرتے تھے۔ اس لیے یہ خطۂ زمین سادھورہ مشہور ہوگیا۔ پھر اسے ساڈھورہ کہنے لگے۔

سادھورہ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ سادھو اور رہ۔ سادھو ہندی ہے اور رہ فارسی جوراد کا مخفف ہے۔ یہ مرکب لسانی اتحاد کی یادگار ہے۔ اور یہ بتاتا ہے کہ اس عہد میں وجود میں آیا ہے جب باہم رہن سہن سے ہندی اور فارسی لفظ مرکب ہونے لگے تھے۔ فارسی کتب میں سادھورہ کو سالورہ لکھا ہے مثلاً سالورہ خضرآباد گنج العلوم سید عبدالحمید سالوری۔ سالورہ دراصل سادھورہ اور ساڈھورہ کا مفرّس ہے۔ فارسی میں حرف ڈھ اور دھ نہیں ہے لہٰذا اسے قریب الصوت حرف لام سے بدل دیا ہے اور ایسی تبدیلی بروئے قواعد (گرامر) روا ہے جیساکہ سنگستان کو سجستان (سیستان) اور چین کو صین کردیا ہے اس لیے کہ عربی زبان میں حرف گاف (گ) اور حرف چ نہیں ہے لہٰذا ان حروف کو قریب الصوت حروف سے بدل دیا ہے۔

امپیریل گزیٹر آف انڈیا کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قصبہ سلطان محمود غزنوی (۳۸۷ھ / 997 تا ۴۲۱ھ / 1030) کے عہد میں آباد ہوا تھا جس کی سلطنت کی حدود تھانیسہ تک وسیع ہوچکی تھیں۔ تعجب نہیں کہ غزنوی کی متواتر یورش سے متاثر ہو کر بعض خاندانوں نے اس وادی کو مامن

---

[1] اب ضلع انبالہ میں نہیں ہے بلکہ ضلع جمنانگر میں شامل کردیا ہے۔

بنایا ہو۔ اس لیے اس مقام کا نام وہی رہا جو قرب و جوار میں رہنے والوں کی زبان پر تھا۔ ورنہ اگر یہ قصبہ بسایا جاتا تو نام بھی ہندی ہوتا یا فارسی مگر ہوتا شایانِ شان اور معنیٰ آفرین۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہاڑی راجاؤں کی باہمی جنگ و پیکار سے مامون رہنے کے لیے اس وادی کو پناہ گاہ اور رہایش گاہ بنالیا ہو۔ بہرحال اس کے آباد ہونے کا تاریخی اعتبار سے صحیح زمانہ متعین نہیں ہے۔

ساڈھورہ ہماچل پربت کے دامن میں ہے جو انبالہ شہر سے شمال مشرق میں اور انبالہ سے ۴۰۔۵۰ کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے اس کے گرد و نواح میں نہروں اور ندیوں کا جال پھیلا ہوا ہے جو باہم مل جل کر شاہ آباد (کرنال) کے قریب مارکنڈہ ندی میں جا گرتی ہیں۔ ساڈھورہ بھی ایک ندی کے کنارے ہی آباد ہے۔ جسے نکٹی ندی کہتے ہیں۔ یہ ندی برسات میں خوب بھر کر چلتی ہے اور اس کا جوش و خروش لائقِ دید ہوتا ہے ورنہ خشک پڑی رہتی ہے۔ البتہ نشیبی مقامات پر کہیں کہیں پانی کھڑا رہ جاتا ہے۔ پار جانے کے لیے پختہ پل ہے اسی پر سے ٹریفک گزرتا ہے یہ پل عہد حاضر ہی میں بنایا گیا ہے۔ ندی پار جانب شمال حضرت قمیص اعظمؒ کا روضہ ہے جو طالبان حق کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

ساڈھورہ کے گرد و نواح میں سر بفلک پہاڑ ہیں جو سرسبز و شاداب ہیں کہسار و سبزہ زار اور ندیوں کے آبِ رواں سے یہ خطۂ زمین کشمیرِ جنت نظیر کی یاد تازہ کرتا ہے جب اسے کسی بلند مقام سے دیکھا جاتا ہے تو دل کو فرحت اور آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتا ہے قدرتی پُرفضا منظر کے پیش نظر اسے شہرِ پُرزیب بھی کہا گیا ہے۔ بعض نے شہرِ پُرزیب کو ساڈھورہ کا تاریخی نام تصور کیا ہے جو محتاجِ ثبوت ہے۔ شہرِ پُرزیب سے بحساب ابجد اعداد ۷۲۶[1] برآمد ہوتے ہیں۔ اگر اسے سنہ ہجری قرار دیا جائے تو یہ سلطان عادل شاہ محمد بن[1] تغلق کی تخت نشینی کا دوسرا

---

[1] پروفیسر حامد حسن سید نے کتاب پیر سید بدھو شاہ ص ۲۲ میں لکھا ہے کہ اس صورت میں قصبہ ساڈھورہ بسنے کا زمانہ سلطان غیاث الدین بلبن کا عہد ہوتا ہے جو قطعاً غلط ہے۔ غیاث الدین بلبن کا عہد ۶۶۴ تا ۶۸۶ھ ہے۔ کسی پروفیسر سے ایسی لغزش حیرت انگیز ہے۔

سال ہے۔

آب و ہوا موسمی کیفیات سے متاثر اور معتدل رہتی ہے۔ نہ برفانی علاقوں کی مثل سرد اور نہ سخت گرم۔ البتہ جاڑوں میں کچھ دن خوب سردی پڑتی ہے اور گرمیوں میں کچھ دن سخت گرمی ہوتی ہے۔ برسات میں بارش بھی خوب ہوتی ہے جس سے سبزہ زار کی دیدہ زیبی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ برساتی کیڑے مکوڑے بھی بکثرت پیدا ہو جاتے ہیں۔ ندی نالے بھر کے چلنے لگتے ہیں۔ جو کہیں کہیں آمد و رفت میں حائل بھی ہوتے ہیں لیکن منظر مزید دلکشا اور دیدہ زیب ہو جاتا ہے۔ زمین نہری اور سیلابی ہے۔ اس لیے باغات بھی ہیں اور کاشت بھی خوب ہوتی ہے۔ گیہوں چاول۔ جوار۔ جو۔ ایکھ مکئی اور کپاس کی پیداوار اچھی ہے۔ پھل پھول اور تازہ بتازہ سبزیاں دستیاب ہوتی رہتی ہیں۔ جو یہیں کی پیداوار ہوتی ہیں پھلوں میں آم، جامن، امرود، کیلہ، سنترہ، انار، پپیتا۔ سبزیوں میں آلو، اروی۔ مٹر۔ گوبھی۔ شلجم۔ مولی۔ بیگن۔ ٹماٹر کی پیداوار اچھی ہے۔ پھل اور سبزیاں بآسانی دستیاب ہوتی ہیں۔ مہندی یہاں کی مشہور ہے۔

قصبۂ ساڈھورہ کے باشندے نہ تو قوی ہیکل ہیں۔ نہ نحیف و نزار بلکہ مندرہ قد درمیانی جسّہ۔ گندمی رنگ بعض بعض سانولا رنگ اور پست قامت ہوتے ہیں۔ بعض بعض صاف رنگ۔ سرخ سفید شکیل مقبول صورت اور دیدہ زیب ہوتے ہیں۔ ناک نقشے سے سبھی درست ہوتے ہیں۔ اکثر کاروباری اور کاشتکار پیشہ ہیں۔ شریف طبع، ملنسار اور مہذب ہیں مستورات سلیقہ شعار اور باحیا ہیں۔ تعلیم یافتہ بھی خاصے پائے جاتے ہیں۔ ذات پات کے اعتبار سے بنیئے۔ راجپوت۔ مگ و سنہار ہیں۔ سکھ اور جین بھی ہیں ۱۹۴۷ء تک مسلمان اکثریت میں تھے اور ان ہی کو حقوق ملکیت حاصل تھے۔ قدیم شرفائیں سے اب صرف ایک گھر ہے جس کے بزرگ پیر سید عبدالباسط شاہ صاحب ہیں جو حضرت شاہ قمیص اعظمؒ کی اولاد پاک نہاد سے ہیں اور سجادہ نشین ہیں۔ ۱۹۴۷ء تک مسلمانوں میں اکثریت سادات ہی کی تھی۔ جن میں واسطی۔ ترمذی۔ زیدی۔ جعفری اور حسنی قمیصی تھے۔ جولاہے بھی بکثرت تھے اور ہر محلے میں تھے اور کھڈی کا کپڑا تیار کیا کرتے تھے وہ تو سب نہیں ادھر اُدھر سے اور آگئے ہیں جو قالین

بھی تیار کرتے ہیں۔ عہدِ قدیم میں کچھ ایسے جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں جن کو آج تک احترام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت سید عبدالحمید گنج العلمؒ۔ قطب الاقطاب سید عبدالوہاب ترمذیؒ قاضی ابوالمکارمؒ۔ سید نصراللہ واسطیؒ اور سب سے زیادہ مقبول و مرجع خلائق شخصیت حضرت قمیصِ اعظم قادریؒ ہیں۔ عہدِ عالمگیری کی ممتاز شخصیت سید بدرالدینؒ عرف پیر سید بدھو شاہ ہیں جو گورو گوبند سنگھ کے رفقا اور جاں نثاروں میں سے ہیں۔

تعلیم کا اچھا خاصا بندوبست ہے۔ نرسری اسکول۔ پرائمری اسکول۔ مڈل اسکول اور ہائی اسکول اور ایک کالج ہے۔ میونسپلٹی یہاں کی بہت قدیم ہے جو ۱۸۵۸ء میں قائم ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ لاہور کے بعد سب سے پہلے یہیں میونسپلٹی قائم ہوئی تھی۔ سڑکیں پختہ ہیں۔ گلیوں میں اینٹوں کا کھرنجہ بچھا ہوا ہے۔ گلیاں صاف ستھری ہیں۔ نل اور بجلی بھی ہے۔ پرانے مکانات لکھوری اینٹ کے صاف ستھرے بنے ہوئے ہیں۔ اینٹوں کو گھس کر لگایا گیا ہے۔ جو بہت خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ ۱۸۹۴ء میں لیتھو پریس بھی تھا جس کا نام بلالی پریس سادھورہ تھا۔ جو ہریانہ پنجاب کا سب سے پہلا پریس تھا اور اسی پریس میں رسالہ قمیصیہ پہلی بار چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہے کہ قصبۂ سادھورہ میں تعلیمیافتہ اشخاص کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ حالانکہ یہ دور افتادہ دامن کوہ میں ایک قصبہ تھا۔ اب چوطرفہ پختہ سڑکیں ہیں۔ بس سروس بھی ہے۔ جس کی بدولت آمد و رفت میں بہت سہولت ہے۔ اب سادھورہ کو اچھی خاصی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ صنعت و حرفت بھی ترقی پر ہے۔ سادھورہ کے بعض مقامات اور بعض عمارتیں بھی قابلِ ذکر ہیں اور وہ یہ ہیں:

پکا اور کچا قلعہ سادھورے کی ندی کے کنارے قلعوں کے آثار ہنوز پائے جاتے ہیں۔ ایک کو پکا قلعہ کہتے ہیں جو فصیل شہر کی مثل ہے۔ یہ ۳۰۔ ۴۰ فٹ چوڑی اور خوب بلند دیوار ہے۔ جو صرف مٹی کا ڈھیر ہے۔ ایسے قلعے زمانہ قدیم میں بستی کی محافظت کے لیے بنائے جاتے تھے کہ اگر غنیم قریب پہنچ کر حملہ کرے تو اس کے تیر آ کر مٹی میں دھنس جائیں اور اس کی بلندی سے دشمن پر بآسانی تیر برسائے جا سکیں۔ اس قلعہ کے آثار موجود ہیں اسے پکا قلعہ اس لیے کہتے ہیں کہ تیر تو تیر توپ کا گولہ بھی مٹی میں دھنس کر رہ جاتا ہے۔ ایسے قلعے

زمانۂ قدیم میں بہت تھے۔

دوسرا قلعہ جسے کچا قلعہ کہتے ہیں۔ یہ لکھوری اینٹ سے بنا ہوا ہے۔ اسے سکھ سردار بندہ بیراگی نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ بھی ندی کے کنارے ہی ہے اور اب اس میں سکھ خاندان آباد ہیں۔

منادر ساڈھورہ میں جینیوں اور سناتن دھرم ہندوؤں کے کئی مندر ہیں۔ جن میں سے تین مندروں کی ساخت بتاتی ہے کہ یہ بہت قدیم ہیں۔ ایک قدیم مندر ہے جس کا نام مَن کامنا (منو کامنا) یعنی دلی مراد کی بر آری کا مقدس مقام پہلے یہ تالاب میں تھا اب تالاب کے کنارے ہے یہ بھی بہت قدیم ہے۔ پہلے چند مندر تھے اب بڑھتے جارہے ہیں۔

مساجد ساڈھورہ میں ۵۴ مسجدیں بتائی جاتی ہیں۔ مسجدوں کی یہ تعداد بتاتی ہے کہ مسلمان اس بستی میں مدت مدید سے مقیم تھے۔ تعداد بھی کثیر تھی اور خوش حال اور خوش عقیدہ بھی تھے۔ شیعہ بھی تھے اور سنّی بھی۔ شیعہ زیدی تھے جو تبرائی نہیں ہوتے اور خلفائے راشدین کو مانتے ہیں۔ سُنّی اکثر ساداتِ کرام میں سے تھے اور اہلِ بیت کی عظمت کے قائل تھے۔ خارجی المسلک کوئی بھی نہ تھا۔ لیکن عہدِ حاضر میں ان کی اولاد میں سے جو پاکستانی ہوگئے ہیں اور جنھوں نے ساڈھورہ سے متعلق لکھا ہے۔ دو کتابچے میرے پیشِ نظر ہیں ایک کے لکھنے والے متعصب شیعہ ہیں اور دوسرے کے خارجی المسلک سُنّی ہیں۔ انکی علمی و تاریخی معلومات بھی گئی گزری ہی سی ہے۔ مسجدوں میں کئی مسجدیں لائقِ ذکر ہیں:

مسجدِ جِن یہ مسجد ندی سے قریب جانب جنوب ہے۔ بھورے پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ اس کا صرف ایک دالان ہے اور وہ بھی شکستہ اور خراب و خستہ حالت میں ہے اس کے گنبد میں ایک پتھر ایسی صناعی سے لگایا ہے کہ وہ لٹکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس مسجد کے گرداگرد اب مٹی کا انبار ہے اور مسجد زمین میں دھنسی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ صحن مختصر سا ہے جو موجود ہے۔ اس مسجد کو چارسو۔ پانسو اور چھ سو برس پرانا بتایا جاتا ہے۔ اس کے جنوب مشرق میں محلہ بوحلیموں آباد تھا۔ جہاں اب نئی عمارتیں ہیں۔ بعض نیک بندے شبِ عاشورہ میں اس مسجد میں مشغولِ عبادت رہتے تھے۔ ابو حلیم بزرگ حضرت رسول کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر عم زاد حضرت جعفرؓ طیار کی اولادِ پاک نہاد سے تھے۔ ان کی اولاد

شیخ زادگان مشہور تھی۔ مسجد جن کے جنوب میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسے مسجد قمیصیہ کہتے ہیں۔

مسجد روضۂ سید عبدالوہاب ترمذیؒ قطب الاقطاب

قطب الاقطاب سید عبدالوہاب ترمذیؒ مشائخ کبار میں سے تھے۔ اخبار الاخیار ۹۹۹ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور خزینۃ الاصفیا مفتی غلام سرور لاہوریؒ۔ یہ دونوں صوفیائے کرام کے جامع اور مستند تذکرے ہیں ان دونوں ہی میں قطب الاقطاب سید عبدالوہاب ترمذیؒ کا ذکر ہے۔ ساڈھورے کے زیدی شیعہ ان ہی بزرگ کی اولاد سے ہیں جو پاکستان جا بسے ہیں۔ ان کا مبارک روضہ مسجد جن سے جانب جنوب آبادی میں ہے۔ روضے کے ساتھ ہی مغرب میں ایک مسجد ہے جو نازک گلکاری سے آراستہ اور تعمیری فنکاری کا گلدستہ ہے۔ لکھوری اینٹ کی بنی ہوئی ہے اور بڑی ہی دیدہ زیب ہے۔ اس میں آیاتِ قرآنیہ اور یٰسین شریف نقش ہے۔ مگر تعمیر کا قطعہ تاریخ بھی لکھا ہوا اور وہ یہ ہے ؎

مسجد عالی بنا فرمود با صدق و صفا است	سجدگاہے شد کہ آرایش دہ ہر دو سرا است
جلوہ گر گشتہ بصحنِ روضہ عالی جناب است	قطب اقطاب زماں کز خاندانِ مصطفیٰ است
نیّرِ دانش پئے تاریخِ ایما یافتہ است	سجدگاہے بس قدیمی معبدِ عالی بنا است

آخری مصرعہ سے تاریخ تعمیر ۱۰۷۵ ہجری برآمد ہوتی ہے اور یہ اورنگ زیب عالمگیر کا عہدِ سلطنت (۱۰۷۵ھ) ہے۔ اشعار اور بھی ہیں جو بوجہ تاریکی کے پڑھے نہیں گئے۔ اس مسجد میں ایک فقیر مقیم ہے۔ جس نے اپنے مویشی بھی مسجد میں باندھ رکھے ہیں۔ میں نے پنجاب وقف بورڈ انبالہ کو لکھا بھی تھا۔ مگر وہ متوجہ نہ ہوئے۔

جامع مسجد پیرزادگان قمیصی

یہ مسجد چوک پیرزادگان میں ہے۔ جو سنہ کی تعمیر شدہ ہے۔ اس مسجد کو پیر سید عبدالرحیم شاہ قمیصی قادریؒ نے تعمیر کرایا تھا۔ جن کے پوتے پیر سید عبدالباسط شاہ صاحب قمیصی قادری ظلہٗ موجودہ سجادہ نشین روضۂ قمیصیہ ہیں۔ اس میں جمعہ بھی ہوتا ہے اور پنج وقتہ نماز باجماعت بھی ہوتی ہے۔ یہ مسجد خاصی بلندی پر ہے۔ نیچے دکانیں بھی ہیں۔ مسجد بہت وسیع اور

کشادہ ہے۔ دالان بھی بڑے بڑے ہیں۔ اور صحن بھی خوب کشادہ ہے۔

جامع مسجد قاضیان یہ مسجد قاضی ابوالفتح مرحوم کی بنوائی ہوئی ہے اور محلہ قاضیان میں ہے جو ساڈھورہ کا مشہور محلہ ہے۔ بہت بڑی پختہ اور پرشکوہ ہے۔ ایک بہت بڑا دالان ہے۔ سطح زمین سے کسی قدر بلند پختہ صحن ہے۔ حوض بھی ہے۔ جانب مشرق حجرے ہیں۔ صحن مسجد ہی میں قاضی صاحب کی قبر ہے جو خام ہے اور احاطہ میں ہے۔ مسجد کا صدر دروازہ بھی بہت پرشکوہ ہے۔ اس مسجد کے شرقی و شمالی گوشے میں ایک بزرگ نوگزے پیر کی قبر ہے۔

مسجد سرِ راہ یہ مختصر سی مسجد ہے جو سرِ راہ بس اڈے کے قریب ہے۔ پہلے ویران پڑی تھی۔ اس کی مرمت کرائی گئی ہے۔ اب آباد ہے۔ اکثر مسافر نماز پڑھتے ہیں اور جاتے آتے تبلیغی جماعتیں قیام کرتی ہیں۔ پہلے آبادی سے کچھ فاصلے پر تھی۔ اب نئی آبادی اس تک پہنچ گئی ہے۔

دیگر مساجد مسجدیں اکثر محلوں میں ہیں جو یا تو ویران پڑی ہیں یا ان میں رفیوجی آباد ہیں۔ کسی کسی میں مویشی رکھے جاتے ہیں۔ کسی میں بچوں کا مدرسہ ہے۔

عید گاہ قصبہ کے مغرب میں عید گاہ ہے۔ جس میں عیدین کی نماز ہوتی ہے۔ وہ چند مسلمان جو ساڈھورہ میں محنت مزدوری کرتے ہیں قرب و جوار کے دیہاتوں میں جو دُھنے جولاہے۔ لوہار۔ بڑھئی۔ کھاتی رہ گئے ہیں وہ سب یہیں آکر عیدین کی نماز پڑھتے ہیں۔

مقابر۔ سید عبد الحمید گنج العلم حضرت سید عبد الحمید گنج العلمؒ عہد لودھی و بابری کے نامور علماء میں سے تھے۔ امام المؤمنین حضرت زیدؓ بن حضرت امام زین العابدین علیؑ بن سید الشہدا سبط نبی اللہؐ سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد پاک نہاد سے تھے۔ ان کا خاندان ترمذ سے ترکِ وطن کر کے ہندوستان آیا اور صحرا نوردی کرتا کراتا سامانہ (پٹیالہ) میں سکونت پذیر ہوا۔ وہاں سے ساڈھورہ آبسا جو دامنِ کوہ میں پُرسکون مقام ہے۔ حضرت گنج العلمؒ پیر بھی مشہور ہیں۔ یہ شہرت بتاتی ہے کہ وہ کسی سلسلۂ طریقت سے وابستہ تھے۔ ایک اہلِ قلم نے یہ مضحکہ خیز جملہ بھی لکھا ہے کہ طالب علموں کے پیر تھے۔ یہ عجوبۂ روزگار ہے۔

قطب الاقطاب حضرت سید عبدالوہاب ترمذیؒ جو آج بھی مرجع خلائق ہیں حضرت گنج العلمؒ کے نامی گرامی صاحبزادے ہیں۔ عیدگاہ ساڈھورہ کے شمال مشرقی گوشے میں قدیم قبرستان ہے وہیں ایک پختہ اور وسیع احاطے میں کئی قبریں ہیں۔ ان ہی میں حضرت گنج العلمؒ کا مزار پُرانوار ہے۔ احاطے کی شمالی دیوار میں قبروں کے سرہانے چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے ہیں۔ ان میں چراغ روشن کیے جاتے ہیں اور یہ عمل ہنوز جاری ہے۔ مسلمان تو اب برائے نام ہیں۔ ہندو عقیدت منداس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ اس قبرستان کے قرب و جوار میں مہندی کے کھیت ہیں۔

یہ بھی مشہور ہے کہ اگر کسی کو باری کا بخار آجاتا ہے اور علاج معالجے سے بھی مریض تندرست نہیں ہوتا تو اس کے لیے احاطہ مزار کے آس پاس سے کوئی اینٹ پتھر اٹھالے جاتے ہیں اور منت مانتے ہیں کہ اس کے تندرست ہونے کے بعد اس کے ہموزن دانہ پرندوں کے لیے لاکر احاطہ میں ڈالیں گے۔ ایسا ہی کرتے ہیں۔ خداوند قدوس مریض کو شفا عنایت فرماتا ہے۔ اس سے بھی حضرت گنج العلمؒ کی مقبولیت اور بزرگی ظاہر ہے ؎

خورش دہ بہ گنجشک و کبک و حمام
کہ ناگہہ ہمائے در افتد بدام

ماموں بھانجے کی قبریں

ساڈھورہ کی قدیم بستی سے باہر جانب مشرق سطح زمین سے کسی قدر بلندی پر بہت قدیم دو قبریں ہیں۔ جنھیں ماموں بھانجے کی قبریں کہتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ واسطی سادات میں سے تھے۔ ان ہی قبور کے پاس حضرت قمیص اعظمؒ میراں قادری کی اہلیہ کی قبر ہے۔ یہ مقام بھی زیارت گاہ ہے۔ حضرت قمیص اعظم کے عرس پر ۹ ربیع الآخر کو حضرت پیر سید عبدالباسط شاہ صاحب سجادہ نشین کے دولت کدے رحیم گلشن چوک پیرزادگان سے چادر کا جلوس چلتا ہے تو پہلے ماموں بھانجے کے مزارات پر جاتا ہے۔ شرکائے جلوس فاتحہ پڑھتے ایصال ثواب کرتے۔ تبرک بانٹتے چادر پوشی اور گلپوشی کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ بعد ازاں روضہ حضرت قمیص اعظمؒ پر جلوس جاتا ہے اور کمال احترام سے گلپوشی اور چادر پوشی کی خدمت انجام دیتا ہے۔ تبرک کا نذرانہ بھی بخدمت پیش کیا جاتا ہے۔

یہ منظر نہایت پُر کیف اور لائق دید ہوتا ہے۔ ہر ایک پر محویت طاری ہوتی ہے۔ سب ہی یادِ الٰہی میں محو و مستغرق ہوتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اس دنیا کے نہیں کسی اور ہی عالم کے نیک بندے ہیں۔ پست و بلند اور اونچ نیچ کا ذکر کیا ہے اس کے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔ کچھ دیر یہ پُر کیف منظر رہتا ہے جس کی یاد دلوں میں برقرار رہتی ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ۔

گنجِ شہیداں

ماموں بھانجے کے قبرستان کے پاس ہی ایک خطۂ زمین ہے جسے گنجِ شہیداں کہتے ہیں۔ تاریخ تو واضح طور پر کسی جنگ کا حال بتاتی نہیں۔ ممکن ہے پہاڑی راجاؤں کی آویزش سے جنگ ہوئی ہو۔ بہر حال یہ خطۂ زمین گنجِ شہیداں ہے۔ اب نئی آبادی اس کے قریب تک پہنچتی چلی ہے۔

نوگزے پیر

ساڈھورہ کے محلہ منیاران (سراجیان) میں نوگزے پیر کی دو قبریں بتائی جاتی ہیں اور ان کی قبروں پر چراغاں بھی ہوتا ہے مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ کون بزرگ ہیں اور کس زمانے کے بزرگ ہیں۔ نوگزے پیروں کی قبریں اور علاقوں اور دیہاتوں میں بھی ہیں۔ بعض اہلِ علم کی رائے میں یہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ بنی اسرائیل زیادہ تر فلسطین اور سامرہ میں آباد تھے جب ۷۲۱ قبل مسیح میں آشوری بادشاہ سارگون کے اور ۵۹۸ قبل مسیح اور ۵۸۷ قبل مسیح میں بادشاہ بخت نصر کے متواتر حملوں سے سامرہ و فلسطین کی اینٹ سے اینٹ بج گئی تو وہاں کے باشندے بنی اسرائیل ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور ایران سے گزرتے ہوئے ہند و پاک پہنچے۔ دریائے سندھ کے کنارے کنارے بھی سکونت اختیار کی۔ بعض آگے بڑھتے چلے گئے اور جہاں مناسب سمجھا رہ پڑے۔ انبیائے بنی اسرائیل بھی ہمسفر تھے۔ کسی نے دورانِ سفر میں وفات پائی ہو اور کسی نے کسی قیامگاہ میں وفات پائی ہو۔ انبیاء بنی اسرائیل کا سلسلہ مدتوں ہی جاری رہا۔ ہند و پاک میں بھی انبیاء بنی اسرائیل مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ نوگزے پیروں کی قبریں جو جا بجا بتائی جاتی ہیں اغلب یہ ہے کہ ان ہی انبیاء کی ہیں جن کا دورانِ سفر میں انتقال ہوا۔ یہود و بنی اسرائیل میں میت کو دفن کر دینے کا دستور رہا ہے۔ ممکن ہے کہ شناخت کے لیے قبریں لمبی لمبی بنا دی ہوں یہ عجوبۂ روزگار ہے کہ جہاں جہاں بھی ایسی قبور ہیں انھیں عزت ہی کی نگاہ سے دیکھا

جاتا ہے۔ خواہ وہ غیر مسلموں ہی کے علاقے میں کیوں نہ ہوں۔ بہر حال ساڈھورہ میں بھی نوگزے پیروں کی قبور ہیں۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کا قافلہ اگر یہاں قیام پذیر نہیں بھی رہا تو یہاں سے گزرا ضرور ہے اور یہاں انبیائے بنی اسرائیل میں سے کسی کی قبر کا ہونا اس سرزمین کی بزرگی کی علامت ہے۔

ستر گزے

یہ تو ہو سکتا ہے کہ سات کو ستر کہنے میں کمال دکھایا ہو۔ مراد یہی ہو کہ یہ انبیائے بنی اسرائیل ہی کی قبور ہیں۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ شہدا کی بکھری ہوئی لاشوں اور ان کے منتشر اعضا، کو سمیٹ کر یکجا دفن کر دیا ہے یہ بھی ممکنات سے ہے مگر بتانا یہ بھی تو چاہیے کہ سبب شہادت کیا ہے اگر جنگ میں شہید ہوئے تو کچھ نہ کچھ اتا پتہ تو ہونا ہی چاہئے اگر گزرتے ہوئے قافلے پر چھاپا مارا گیا تو تھوڑا بہت کچھ تو ذکر فضا میں ہونا ہی چاہیئے جب کچھ بھی نہیں تو ستر نہیں ست گزوں ہی کی قبور ماننی ہوں گی۔ بات یہ ہے ؏

چوں نہ دید ند حقیقت رہے افسانہ زدند

نارائن گڑھ جانے والی سڑک کے مغرب میں ستر گزوں کی دو قبریں بتائی جاتی ہیں۔

شہدائے بلندی

نارائن گڑھ تحصیل میں ٹھسکا بن نامی گانو ہے جو ساڈھورہ سے آٹھ کیلو میٹر کے فاصلے پر جانب شمال و مشرق میں ہے۔ ٹھسکا گانو کی پہاڑی پر تین شہیدوں کے مزار ہیں جو بہت قدیم ہیں۔ ان کی زیارت کو حضرت قمیص اعظمؒ بھی تشریف لے جاتے تھے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اگر کوئی زائر شہدائے بلندی کی زیارت کو نہ جائے اور حضرت قمیص اعظمؒ ہی کی زیارت کر کے آجائے تو بارگاہِ قمیصی میں اس کی حاضری قبول نہیں ہوتی۔ یہ خیال شہدائے بلندی کی زیارت کا وسیلہ ہے۔ جس پہاڑی پر ان بزرگوں کے مزار ہیں وہ سطحِ زمین سے کوئی تین سو فٹ بلند ہے۔ ان تینوں شہیدوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) عبدالکریم شاہ (۲) عبدالرحیم شاہ (۳) عبدالرسول شاہ۔ مگر نہ کوئی یہ بتاتا ہے کہ یہ کس عہد کے شہدا ہیں اور نہ یہ بتاتا ہے کہ وقوعہ شہادت کا موجب کیا ہے۔ تاہم بہت قدیم ہیں اور مقبولانِ خدا میں سے ہیں کہ آج تک مخلوق ان کی زیارت سے سعادت اندوز ہوتی رہتی ہے۔ یزار و یتبرک بہ

مشہد پیر بدھو شاہ سید محمد بدرالدین عرف پیر بدھو شاہ گورد گووند جی کے رفقا ہیں ممتاز ترین شخصیت کے مالک ہیں۔ زیدی سادات میں سے تھے۔ اور انھیں روحانیت میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کا رہائشی مکان بازار کے مغربی سرے پر تھا۔ جنرل عثمان نے گورد گووند جی کی رفاقت کے جرم میں انھیں صبح کے دھند لکے میں گھر سے بلایا جیسے ہی یہ اپنے مکان کی پشت پر پہنچے جہاں وہ فوجی دستہ لیے کھڑا تھا۔ سپاہیوں نے تلواریں مارنی شروع کر دیں اور پاش پاش کر دیا جو بھی معاونت کو پہنچا وہ بھی قتل کر دیا گیا۔ یہ مقام ایک گھیر سا ہے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی تھی جو اب رہائشی مکان ہے۔ یہیں ایک پلکھن کا درخت ہے جس کے نیچے پیر بدھو شاہ کی پارہ پارہ لاش کو اور ان کے رفقا کی لاشوں کو دفن کر دیا گیا تھا۔ اس جگہ پر ایک شخص ناجائز طور پر قابض تھا۔ ساڈھورہ کے قدیم و شریف ہندوؤں نے اس کے خلاف مقدمہ چلوایا۔ مصارف بھی خود ہی برداشت کئے۔ کہتے ہیں کہ مقدمہ میں کامیابی ہو گئی ہے لیکن ابھی دخل نہیں ملا ہے۔ سائیں دستوندی شاہ اس مقدمہ میں مدعی تھا۔ پیر بدھو شاہ کی شہادت کا واقعہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۱۱۵ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۷۰۴ء یوم سہ شنبہ (منگلوار) کو بتایا جاتا ہے۔ خدائے قدوس مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ یہ بزرگ اتحادی ذہنیت کے علمبردار تھے۔ سکھ صاحبان نے ان کی یادگار میں گوردوارہ قائم کیا ہے جو ساڈھورہ کے بازار میں اور اس مکان میں ہے جس میں ۱۹۴۷ء سے پہلے ڈاکٹر سید نیر حسین صاحب ترمذی مرحوم و مغفور رہتے تھے جو پیر بدھو شاہ کے اخلاف میں سے تھے۔

مینارۂ زریں ساڈھورہ خضرآباد کے پاس توپرہ گانو سے جو پہاڑ کے نزدیک ہے سلطان فیروز تغلق ایک بہت بڑا ایک ہی پتھر کا بنا ہوا مینارہ اٹھوا کر لایا اور اسے کوٹلہ فیروز شاہ دہلی میں لگوایا اس مینارہ کا نام مینارۂ زریں رکھا جو اب تک موجود ہے۔[1]

کوشک اور بند سلطان فیروز تغلق نے ساڈھورہ میں ایک کوشک (محل) بھی بنوایا تھا اور ندی کا بند بھی بنوایا تھا۔[2]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی شمس عفیف۔ ص ۳۰۵۔ [2] ایضاً۔ ص ۳۳۰۔

روضۂ مُبارکہ حضرت قُمیصِ اعظم قادریؒ

اور

منظرِ عُرس

حضرت شاہ قمیص اعظمؒ کا مبارک روضہ ساڈھورہ کی آبادی سے جانب شمال ندی کے پار ہے اور بہت بڑے قطعۂ اراضی پر واقعہ ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے یہاں باغ تھا جس میں تدفین عمل میں آئی تھی۔ اس کے ایک سمت میں ندی ہے باقی تینوں اطراف میں باغ ہی باغ تھے اب صرف شمال میں روضے سے ملحق ایک باغ ہے۔ یہ قطعۂ زمین دو حصوں میں منقسم ہے ایک محیط ہے اور دوسرا غیر محیط۔ غیر محیط حصہ ندی سے شمال میں روضہ کے صدر دروازے تک ہے۔ کچھ مشرق میں ہے۔ زیادہ شمال مغرب میں ہے۔ اس رقبہ میں ایک بلند اور وسیع مسجد ہے جس کے دو وسیع دالان برآمدہ، پختہ صحن، کچا صحن اور کنواں ہے۔ دالان کے ساتھ حجرے بھی ہیں۔ بتاتے ہیں کہ یہ عہدِ جہانگیری کی تعمیر ہے۔ دیدہ زیب و خوشنما ہے۔ مسجد آباد ہے۔ نماز با جماعت ہوتی ہے۔ مسجد کے سامنے کچھ فاصلے پر نقار خانہ ہے۔ ہے تو وسیع و خوشنما اور پختہ مگر شکستہ حالت میں ہے۔ مغرب میں ایک وسیع تالاب ہے۔

بیرونی رقبہ کے اطراف میں اب زرعی اراضیات ہیں۔ البتہ شمال میں نارائن گڑھ جانے والی پختہ سڑک ہے جس سے ٹریفک گزرتا رہتا ہے۔ اسی میں سے ایک پختہ سڑک روضے کے مغرب سے گزرتی ہوئی جنوب کی طرف آتی ہے اور مشرق کی طرف آکے روضہ کے صدر دروازے تک پہنچ جاتی ہے۔ روضے کے صدر دروازے کے سامنے جانب جنوب کچھ فاصلے پر ندی ہے۔ ندی برسات کے سوا اور دنوں میں خشک رہتی ہے لہذا ساڈھورہ کے رہنے والے ندی سے گزر کر ہی آتے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ قریب کا راستہ ہے۔

اسی بیرونی وسیع رقبے میں عرس کے موقع پر بازار لگتا ہے۔ جو شہر کا شہر ہی ہوتا ہے۔ زائرین کی کثرت سے خوب چہل پہل رہتی ہے۔ رات کا منظر بڑا ہی دلکش ہوتا ہے۔ جنگل میں منگل ہی کا نظارہ ہوتا ہے۔ دکانیں طرح طرح کے ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ ہوتی ہیں اور ہر شے بآسانی دستیاب ہوتی ہے۔ زائرین دور دور سے آتے ہیں۔ قرب و جوار سے بھی آتے ہیں۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ کا مجمع ہوتا ہے۔ جس میں غیر مسلموں کی تعداد بھی معقول ہوتی ہے۔

روضۂ مبارکہ کا احاطہ نہایت وسیع اور پختہ چار دیواری سے محیط ہے مستطیل ہے۔ روضۂ مبارکہ کا صدر دروازہ جنوب میں ہے جو تین دروازوں پر مشتمل ہے۔ بڑا دروازہ بیچ میں ہے دائیں بائیں دو چھوٹے چھوٹے دروازے ہیں اور تینوں باہم متصل ہیں اور بہت ہی شاندار ہیں۔ پہلی ہی نظر میں دل کو موہ لیتے ہیں۔ دل مرعوب ہو جاتا ہے۔ اندر دائیں بائیں کمروں کی قطاریں ہیں مشرق کی طرف جانے والی قطار آگے جا کر شمال کی طرف چلی گئی ہے اس میں بھی دور تک کمرے ہیں ان کے آخر میں لنگر خانے کی عمارت ہے۔ لنگر خانے کے قریب ہی ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ آگے جانب شمالی وسیع چبوترہ ہے۔ مغرب کی طرف جانے والی قطار مغربی دیوار سے مل گئی ہے۔ مغربی دیوار میں ایک کمرہ ہے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس کے بعد متعدد کمرے اور وسیع ہال ہے۔ ہال کے بعد بھی کمرے ہیں۔ چبوترہ ہی ان کا صحن ہے۔

صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی چبوترے تک سڑک ہے۔ جس پر سرخ بجری بچھی رہتی ہے۔ دونوں جانب پودوں کی روش ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پھولوں کے پودے ہیں اور آم۔ جامن۔ انار۔ شہتوت.... کے سربلند درخت ہیں۔ غرض کہ چبوترے تک سارا صحن چمن زار ہے۔ پختہ قبور کی قطاریں ہیں اور کئی گنبد ہیں جن کی تعمیر خوشنما ہے۔ چبوترے پر جانے کے لیے سیڑھیاں ہیں۔ اوپر پہنچتے ہی سامنے حضرت قمیص اعظمؒ کے مقبرے کا دروازہ ہے جو بہت ہی پرشکوہ ہے۔ سے دیکھ کر دل مرعوب ہو جاتا ہے مقبرہ خوب بلند اور شاندار ہے۔ مقبرے کا ایک چھوٹا سا دروازہ مغرب میں ہے۔ مقبرے میں داخل ہوتے ہی طبیعت بیحد متاثر ہوتی ہے۔ اور اللہ سے لَو لگ جاتی ہے اللہ ہی اللہ

زبان پر ہوتا ہے۔ مقبرے کی پشت پر اور دائیں بائیں قطار در قطار پختہ قبور ہیں جو صاف ستھری رہتی ہیں۔

۹ ربیع الآخر کو چادر پوشی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ چادر کا جلوس حضرت پیر سید عبدالباسط شاہ صاحب قمیصی قادری کے دولت کدہ رحیم گلشن (چوک پیرزادگان ساڈھورہ) سے چلتا ہے بازار میں سے گزرتا ہوا ماموں بھانجے کے مزارات پر جاتا ہے۔ وہاں رسم گلپوشی و چادر پوشی ادا کی جاتی ہے۔ فاتحہ پڑھتے ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ تبرک بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ جلوس جمِ غفیر ہوتا ہے۔ جس میں مقامی بھی ہوتے ہیں اور بیرونی زائرین بھی وہاں سے یہ جلوس شان وشکوہ کے ساتھ حضرت قمیص اعظمؒ کی درگاہ فلک بارگاہ کو جاتا ہے اور عصر مغرب کے درمیان حضرت قمیص اعظمؒ کے روضے پر پہنچتا ہے۔ اس وقت کی کیفیت عجیب ہوتی ہے۔ ہر شخص محوِ یادِ الٰہی ہوتا ہے دل ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔ ہر ایک پر محویت کا عالم طاری ہوتا ہے، دل دنیا سے بیزار اور آنکھیں اشک بار ہوتی ہیں۔ چہروں سے معصومیت نمایاں ہوتی ہے۔ اور کچے پر ندامت ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اس دنیا کے نہیں کسی اور ہی عالم کے نکوکار بندے ہیں۔ سب ہی یادِ الٰہی میں مستغرق اور دست بدعا ہوتے ہیں اور قمیص اعظمؒ کے وسیلے سے دلی مرادیں مانگتے ہیں۔ جو مقبول ہوتی ہیں۔ عجب کیفیت کا سماں ہوتا ہے۔ پتھر دل بھی پانی ہو جاتے ہیں کچھ دیر یہ پرکیف منظر برپا رہتا ہے کہ مغرب کی اذان ہو جاتی ہے۔ مسلمان زائرین نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ حضورِ قلب سے دعائیں مانگتے ہیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کچھ ذکر واذکار اور تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہو جاتے ہیں اور کچھ سیر وتفریح میں۔ آج کے دن سب دنوں سے زیادہ تبرکات کا انبار رہتا ہے اور نذرات کی کثرت ہوتی ہے۔

لنگر تو پہلے سے متواتر چلتا رہتا ہے اور دونوں وقت چلتا ہے۔ مگر آج زیادہ گہما گہمی ہوتی ہے۔ نماز عشاء کے بعد کچھ سو جاتے ہیں اکثر جاگتے رہتے ہیں۔ رات بھر رونق اور چہل پہل رہتی ہے۔ نماز فجر کے بعد رات کے جاگے شب بیدار سو جاتے ہیں۔ باقی حاضر دربار رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ شہدائے بلندی کی زیارت کو جاتے آتے رہتے ہیں۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱ یہ تین دن بڑی رونق کے ہوتے ہیں گیارہ کو آخری قل ہوتا ہے۔ ۱۲ کو میلا بچھڑ جاتا ہے۔ ۱۳ کو ہو کا میدان ہوتا ہے۔ بس ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

۸۶؎

شجرۂ نسب عالیہ غوثیہ قمیصیہ رحمہم اللہ تعالیٰ

۲ عمادالدین علی
۳ ابوالحسن سیف الدین
قاضی
۴ کمال الدین حسن
۵ ابوحمد نورالدین
۶ محی الدین علی
جیلانی
۳ جلال الدین احمد
۴ بہاء الدین محمد
۵ تاج الدین محمود
۶ سید ابی الحیات
شمس العارفین شہاب الدین
سید ظہیر الدین
سید صدر الدین
سید ملیح الدین
سید علاء الدین
سید محمود
سید بہاء الدین بہاول شیر
مزار پُر انوار بدایوں میں ہے
ابونصر
سید قاسم
علی ثانی
شہاب الدین احمد
شمس الدین محمد
علاء الدین علی
میر یحییٰ
میر شرف الدین
سید محمد
سید نصر
سید ابدال
سید اسمٰعیل
مزار پُر انوار
رنتھمبور میں ہے
سید بدرالدین گیلانی
مزار پُر انوار
لاہور میں ہے
۷
حضرت
قمیص اعظم
قدس اللہ سرہ العزیز
۷ حسین جیلانی ابو محمد
ابو احمد
سید غلام مصطفیٰ
بی بی قطب النساء
سید شاہ ابوالمکارم
قادری
۸ سید شاہ محمد قادری
سید شاہ محمد باقر لاولد
۹
سید شاہ محمد غوث
سید شاہ ابو محمد
۱۰ سید شاہ عبدالحی
قطب الاقطاب
۸
ابوصالح
حسین
جیلانی
شہنشاہ اکبر اعظم کی والدہ
ماجدہ سیدہ مریم زمانی نواب
حمیدہ بانو عرف حاجی بیگم
نور اللہ مرقدہا جب حج بیت اللہ
اور زیارت عتبات عالیات
کو تشریف لے گئی تھیں تو واپسی
۱۱ سید یحییٰ زاہد
سید شاہ عبدالرزاق
سید شاہ محمد یار
سید شاہ ابوالخیر
قادری باغ۔ گوپامئو۔ کھورے والا

میں اپنے ہمراہ علماء و مشائخ اور سادات کرام میں سے جن منتخب بزرگوں کو تحفتہً لائی تھیں انھیں عرب سرائے دہلی میں آباد کیا اور دینی درگاہ قائم کی تھی۔ ان ہی میں سے ایک یہ بزرگ ابو صالح حسین جیلانی ہیں۔ ان ہی کے اخلاف میں سے یہ بدنام کنندہ نکونامِ چند مترجم کتاب خوارقاتِ شاہ قمیص قادریؒ اخلاق حسین دہلوی بن محمد ابراہیم حسین بن سید حسینؒ بن سید علی قادریؒ حسنی حسینی ہے جسے اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم سے اور فداہ امی و ابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے صدقے میں اس خدمت کی سعادت بخشی ہے۔ الحمدللہ علیٰ احسانہٖ۔

لہ سید اظہار احمد گیلانی صاحب ایم اے نے اپنی کتاب تذکرہ قمیص الاعظمؒ صفحہ ۲۳ میں جو شجرۂ نسب شامل کیا ہے اور جس کو حضرت پیر سید شاہ عبدالباسط قادری حیدرآبادی مدظلہ العالی کا شجرہ نسب بتایا ہے اس کے ابتدائی تین نام سید شاہ محمد غوث ابن سید شاہ محمد قادری ابن حضرت قمیص اعظمؒ تو صحیح ہیں باقی سب غلط اور خود ساختہ ہیں۔ پھر یہ لکھنا کہ سید حاجی فاضل بخش کی اولاد میں سے پانچویں نسل میں سید عبدالباسط حیدرآبادی ہیں جو موجودہ سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ قمیص الاعظمؒ قادری (ساڈھورہ) ہیں اور کسی مجہول الحال کو نسباً قمیصی بتانے کے لیے کسی کے نسب میں ردوبدل کرنا بعید از شرافت اور نہایت شرمناک حرکت ہے جو کسی شریف النفس کے لیے زیبا نہیں ہے۔

شعور و آگاہی

(کتاب خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ)

کتاب خوارقاتِ حضرت شاہ قمیص قادریؒ سوانح حیات نہیں۔ خوارق و کرامات کا مجموعہ ہے۔ لیکن مصنف کی سلیقہ شعاری اور سلامت روی کا وصف یہ ہے کہ اگر مبالغہ آمیزی سے کنارہ کش رہ کر جو کہیں کہیں ہے تو اس کے مطالعہ سے مختصر سی سوانح مرتب ہو سکتی ہے جو سود مند بھی ہوگی۔ اور اس کے مطالعہ سے طالبین حق رہنمائی بھی حاصل کر سکیں گے۔

مبالغہ کا وصف یہ ہے کہ کبھی تو اس سے اسلوب و بیان کی تابانی جگمگا اٹھتی ہے۔ اور خیال بآسانی دلنشین ہو جاتا ہے۔ مگر کبھی کبھی اس سے حقائق روپوش ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ طبائع اثر قبول نہیں کرتیں۔ اور مبالغہ کی آمیزش نقصان دہ ثابت ہوتی ہے اور کسی کی سیرت افسانہ بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ نقص ان سوانح حیات میں اکثر پایا جاتا ہے۔ جن میں عقیدت مندی کا جذبہ زیادہ سے زیادہ کار فرما رہا ہے۔

کتاب خوارقات میں بھی کہیں کہیں یہ نقص ہے۔ یہاں اسی کا تخطیہ و تخرجہ مقصود ہے تاکہ سیرت کے حقائق پر توفگن ہو سکیں۔ خوارقات کے مصنف نے ترقیمہ لکھا ہے:۔

بتاریخ پنجم ۵ شہر ذی الحجہ سنہ ۱۱ جلوس اکبر شاہ روز یکشنبہ اتمام یافت

تاریخ و تقویم بتاتی ہے کہ اکبر شاہ یعنی معین الدین اکبر ثانی کا گیارہواں جلوس ۱۲۳۲ھ 1817 ہے اور ۵ ذی الحجہ کو اتوار ہی کا دن ہے۔ اس سے یہ حقیقت آشکارہ ہے کہ یہ کتاب حضرت شاہ قمیص اعظمؒ کی وفات سے دو سو چالیس (۲۴۰) برس بعد مرتب ہوئی ہے اور اس

مدت میں مبالغہ کی آمیزش قرینِ قیاس ہے۔ اور ان مبالغہ آمیز بیانات میں سے بعض یہ ہیں جن سے سیرت متاثر ہوتی ہے۔

(۱) حجرہ نشینی کے متعلق لکھا ہے

"بعضے گویند چند روز و بعضے گویند بیست سال در آں حجرہ ماندند" (ص ۱۱)

اس میں چند روز سے مراد نصیب شاہ کے آخری ایام سلطنت اور اس کے بیٹے فیروز شاہ کی چند ماہ کی سلطنت اور محمود شاہ برادر نصیب شاہ کی سلطنت کے چند ابتدائی ایام ہیں ان تینوں بادشاہوں کا عزل و نصب ایک ہی سال (۹۳۹ھ) میں ہوا ہے نیز اسی چند روز میں مارا بقیہ شاہاں گزاشتی (ص ۱۱) کی اور اس پیشین گوئی کی رعایت بھی ہے کہ ایں ملک از شمار رفت حق سبحانہ بادشاہی بدیگرے مقرر کردہ است (۹۰) لہٰذا بیست سال (۲۰ سال) محض مبالغہ ہے۔ جیساکہ سطور آیندہ سے واضح ہوگا۔

(۲) دریائی عبادت بلکہ جملہ مدت عبادت و ریاضت کے متعلق لکھا ہے:۔

تا چہل سال بعضے گویند دوازدہ سال ...... می کردہ۔ (ص ۱۲)

اس میں چہل سال (چالیس سال) تو بلاشبہ مبالغہ ہے جو چہل روزہ کی مسخ شدہ صورت ہو سکتی ہے اور جسے واقعاتِ زندگی سے ذرا بھی مطابقت نہیں ہے جیساکہ آیندہ واضح ہوگا البتہ دوازدہ سال (بارہ سال) قرینِ قیاس ہے جسے قیامِ ساڈھورہ سے پہلی مدتِ عبادت و ریاضت سے ایک گونہ مطابقت ہے جس میں سرسری سانظری فرق بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا چہل سال بھی مبالغہ میں شامل رہے گا۔

(۳) زیارت حرمین شریفین اور قیامِ بغداد کی مدت کے متعلق لکھا ہے:۔

ہفت حج کردند باز از حج فارغ شدہ از مدینہ در بغداد تشریف آوردند .... چلّہ فرمودند۔ بعضے گویند چند روز بعضے گویند شش ماہ اقامت فرمودند (ص ۱۲۔ ۱۳)

اس بیان میں چند روز قیام بغداد کی مدت قرینِ قیاس ہے۔ چلّہ بھی اسی مدت میں شامل ہو سکتا ہے کہ ڈیڑھ دو ماہ قیام کیا ہو۔ البتہ شش ماہ (چھ مہینے) خالی از مبالغہ نہیں

تاہم ہفت حج (سات حج) کی بلکہ مجموعی طور سے سفر و حضر کی مدت آٹھ سال ہو گی۔

(۴) یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ بغداد شریف سے رخصت ہوئے تو وارد ملک دکن و ملک پورب ہوئے اور جو مقام پسند آتا ٹھہرتے اور چلہ کرتے اس طرح آپ اجمیر شریف پہنچے وہاں سے ساڈھورہ کی تلاش میں پورب کی طرف چلے اور الغائے ربانی سے دہلی کی راہ لی۔ گنگوہ گئے۔ پھر ساڈھورہ کی راہ لی۔ سیر و سیاحت فرماتے ہوئے سرائے افغان پہنچے جو ساڈھورہ ہی کا سرحد تھی۔ وہاں اتنے دن قیام فرمایا کہ گرد و نواح میں خوب شہرت ہو گئی کہ مخلوق خدا دور و نزدیک سے جوق در جوق حاضر خدمت ہونے لگی۔ حتیٰ کہ اکابر ساڈھورہ آپ کو ساڈھورہ لے آئے۔ جہاں جانا مقصود تھا (س ۱۳ تا ۱۸) اس سفر و حضر میں بھی خاصی مدت گزری ہو گی جو چھ سال ہو سکتی ہے۔

(۵) مذکورہ مدتوں میں اس مدت عمر کو بھی شامل کرنا ہو گا جو حجرہ نشینی سے پہلے گزر چکی تھی۔ یا بالفاظ دیگر حجرہ نشینی کے وقت آپ کی عمر جتنی تھی۔ ہمارے عندیے میں اٹھارہ برس سے کچھ زیادہ ہی ہونی چاہیئے۔ لیکن بروئے احتیاط ہم اٹھارہ برس متعین کرتے ہیں۔

(۶) بعض قرائن بتاتے ہیں کہ آپ حدود ساڈھورہ (سرائے افغان) میں ۹۵۱ھ/1545 میں پہنچے تھے اور ۹۹۲ھ/1585 میں آپ واصل بحق ہوئے۔ درمیانی مدت چالیس برس ہوئی اسے قیام ساڈھورہ کی مدت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

الغرض جملہ غلط مدتوں (۲۰ + ۴۰ + ۸ + ۶ + ۱۸ + ۴۰) کا مجموعہ ۱۳۲ سال ہوتا ہے۔ اگر اس مجموعۂ عمر کو ۹۹۲ھ سنہ وفات میں سے وضع کیا جاتا ہے تو سنہ ولادت ۸۶۰ھ قرار پاتا ہے جو سراسر خلاف واقعہ اور غلط اور ناقابل قبول ہے۔ اس لیے کہ اس زمانے میں تو شاہ حسین بادشاہ بھی نہیں ہوا تھا بلکہ ۲۸ برس بعد ۸۹۹ھ/1493 میں بادشاہ بنا تھا۔ اگر ان مبالغہ آمیز مدتوں کو صحیح سمجھا جائے گا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ شاہ حسین کی تخت نشینی سے پہلے اور اپنے جد بزرگوار کی بنگالہ آمد سے پہلے اور والد بزرگوار کی بنگالہ آمد اور بہت شاہ حسین سے شادی ہونے سے پہلے ہی تولد ہو چکے تھے۔

کیونکہ جدِ بزرگوار اور والدِ بزرگوار شاہ حسین کے عہدِ سلطنت ہی میں وارد بنگالہ ہوئے تھے اور جب ہی حضرت ابو الحیاتؒ کی شادی بنت شاہ حسین سے ہوئی تھی۔ شادی ہونے سے پہلے ولادت استغفر اللہ۔ لہٰذا ان تمام مبالغہ آمیز مدتوں کو مسترد قرار دینا ہوگا۔ اور صحیح معلومات کی روشنی میں ایسا نقشۂ مدت حیات مرتب کرنا ہوگا۔ جو قابلِ قبول ہوسکے۔ اسی نقطۂ نظر سے حقیقی و نظری قدروں سے مشترک نقشۂ حیات پیش کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ عین مطابق ہو۔ اور وہ یہ ہے۔

حقیقی اور نظری قدروں سے مشترک نقشۂ حیات

	نام	سن	عہد	وفات	مدت سلطنت	
۱	سلطان بنگالہ شاہ حسین کی تخت نشینی	۸۹۹ھ / 1492	عہد سکندر لودھی	۹۲۵ / 1518	۲۷ برس	
۲	حضرت سید تاج الدین کا وارد بنگالہ ہونا	۹۰۸ھ تقریباً / 1502	〃			
۳	حضرت سید ابو الحیات کا بنگالہ آنا	۹۱۵-۱۶ھ / 1509-10	〃			
۴	بنت شاہ حسین سے شادی	۹۱۷-۱۸ھ / 1511-12	〃			
۵	ولادت سید ذاکر قادریؒ	۹۱۹ھ / 1513	〃			
۶	ولادت حضرت قمیص اعظمؒ	۹۲۱ھ / 1514				
۷	نصیب شاہ کی تخت نشینی	۹۲۵ھ / 1519	عہد ابراہیم لودھی	۹۳۹ھ / 1532	۱۴ برس	
۸	بابر بادشاہ کا عزمِ حملہ اور نصیب شاہ کا اطاعت قبول کرنا	۹۳۷ھ / 1530	عہد بابر بادشاہ			
۹	حضرت قمیص اعظمؒ کی بنت نصیب شاہ سے شادی	۹۳۷ھ تقریباً / 1530	عہد ہمایوں بادشاہ			
۱۰	بنت نصیب شاہ کا زمین میں دھنسنا	۹۳۱ھ / 1530	〃			

	نام	سن	عہد	وفات	مدت سلطنت
۱۱	حجرہ نشینی یا حبس بیجا	۹۳۸ھ تقریباً / 1530	عہد ہمایوں بادشاہ		چند روز دراں حجرہ ماندند (ص ۱۱)
۱۲	فیروز بن نصیب شاہ کی تخت نشینی	۹۳۹ھ / 1532	"	۹۳۹ / 1532	چند ماہ
۱۳	محمود بن شاہ حسین کی تخت نشینی	۹۳۹ھ / 1532	"	۹۴۴ھ میں / 1537 معزول ہوا	۵ برس ۹۴۴ھ / 1537 شیر شاہ سے شکست کھاکر معزول ہوا
۱۴	حجرہ نشینی یا حبس بیجا سے چھٹکارہ	۹۴۰ تقریباً / 1533	عہد محمود شاہ		
۱۵	شیر شاہ بادشاہ کا حملہ اور فتحیابی	۹۴۴ / 1537	عہد شیر شاہ		
۱۶	شاہ عبد القدوس گنگوہیؒ		عہد ہمایوں بادشاہ	۹۴۵ھ / 1538	
۱۷	شاہ عبد الرزاق قادری جھنجانویؒ		عہد شیر شاہ	۹۵۰ھ / 1543	
۱۸	حضرت قمیص اعظمؒ سرائے افغان میں	۹۵۲ھ تقریباً / 1545	عہد شیر شاہ		
۱۹	" " ساڈھورہ میں	۹۵۶ھ " / 1549	عہد سلیم شاہ		
۲۰	" " کی بنت نصر اللہ واسطی سے شادی	۹۵۸ھ / 1551	" "		
۲۱	ولادت شاہ محمد قادریؒ	۹۶۱ھ تقریباً / 1553	عہد عادل شاہ		
۲۲	ہمایوں بادشاہ اور فتح ہند	۹۶۲ھ / 1553	عہد سکندر و ہمایوں		
۲۳	اکبر بادشاہ کی تخت نشینی	۹۶۳ھ / 1556	عہد اکبری		
۲۴	کہستانِ سرمور	۹۶۹ھ / 1561	"		
۲۵	بہار و بنگال کی فتح کے لیے اکبر بادشاہ کا حملہ	۹۸۳ھ / 1575	"		
۲۶	بہار و بنگال کی فتح	۹۸۴ھ / 1576	"		
۲۷	حضرت قمیص اعظمؒ کا سفر بنگالہ	۹۹۰ھ / 1582	"		

			عہد	وفات	مدت سلطنت
۲۸	بنگالہ میں حضرت قمیص اعظمؒ کی وفات	۹ ربیع الآخر ۹۹۲ھ / 1584	عہدِ اکبری		
۲۹	ساڈھورہ میں تدفین	۳ ذی القعدہ ۹۹۳ھ / 1584			

یہ نقشہ کامل یقینی نہیں ہے بلکہ حقیقی اور نظری اقدار کا مجموعہ ہے۔ البتہ اس میں امورِ ذیل کو ملحوظ رکھا گیا ہے:۔

(۱) صاحبِ خوارقات کے بیان کی ترتیب برقرار رہے۔

(۲) اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ حضرت سید تاج الدین قادریؒ کا اور حضرت سید ابوالحیات قادریؒ کا ورودِ بنگالہ شاہ حسین سلطانِ بنگالہ کے عہد میں رہے اور آمد کی مناسب مدت برقرار رہے۔

(۳) حضرت قمیص اعظمؒ کی ولادت اور حجرہ نشینی کے زمانے کے تعین میں اس پیشین گوئی کی رعایت رکھی ہے کہ ایں ملک از شما رفت۔ تاکہ پیشین گوئی کا ظہور بروقت ثابت ہو مدتِ مدید گزرنے نہ پائے۔

(۴) حجرہ نشینی سے خلاصی پانے میں مار ابقیدِ شاہاں گزاشتی کی رعایت رکھی ہے کہ نصیب شاہ اور اس کا بیٹا فیروز شاہ ایک ہی سال میں گزر جاتے ہیں اور محمود شاہ کے دور کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اور شاہاں کی کامل دلالت ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔

(۵) مدتِ عبادت وریاضت بلکہ مدتِ سیاحت میں دوازدہ سال.... عبادت وریاضت..... کی کرد کی رعایت رکھی ہے کہ اس مدت کا تعلق ورودِ ساڈھورہ سے پہلی مدت سے ہے۔ ورنہ یہ سلسلہ تاحیات برقرار رہا ہے۔

(۶) گنگوہ تشریف لے جانے میں حضرت شاہ عبدالرزاق قادری جھنجانویؒ کے عہدِ حیات کو ملحوظ رکھا ہے کہ گنگوہ میں آپ ہی سے ملاقات ہوئی تھی۔ صاحبِ خوارقات کے بیان کی روشنی میں حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے ملاقات ثابت نہیں ہے؛ غالباً

حضرت شاہ عبدالقدوسؒ گنگوہی وفات پا چکے تھے۔ اور یہ جملہ بھی کہ "یک شیر بچہ از سلسلۂ عالیہ قادریہ بہ دروازہ ما نشستہ است برائے عنداللہ ایں شیر بچہ را بہ ساڈھورہ رخصت نمایند (ص ۱۵) ہرگز حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی شانِ درویشی کے مطابق نہیں ہے۔ ان کا نہیں کسی تنگ دل ہیبت زدہ کا ہوسکتا ہے۔ جو سراسر نظری ہے۔

(۷) سرائے افغاں یعنی سرحد ساڈھورہ وارد ہونے کے زمانے کا بھی نظری تعیّن ہے جو قرین قیاس ہے۔ اسی طرح سفرِ بنگالہ کا بھی نظری تعین ہے جو قرینِ قیاس ہے۔ ان اعتبارات سے مدت عمرِ مبارک ۷۲ برس متعین ہوتی ہے:-

(ا) ولادت ۹۲۱/۱۵۱۵ (ب) شادی کے وقت عمر ۱۷ سال (ج) حجرہ نشینی کے وقت عمر ۱۸ سال (د) حجرۂ نشینی سے خلاصی کے وقت عمر ۲۰ سال (ہ) عبادت و ریاضت اور سفر و حضر کی آخری مدت (بارہ ۱۲ سال کے بعد) عمر ۳۲ سال تا ورود سرائے افغان (و) قیام سرائے افغان ۳ سال تا عمر ۳۵ سال (ز) قیام ساڈھورہ ۳۴ سال تا عمر ۶۹ سال (ح) سفر بنگالہ بعمر ۷۰ سال (ط) وفات بعمر ۷۲ سال بنگالہ میں ___ ہمارے نزدیک عمر مبارک اور واقعاتِ زندگی کی ترتیب اس طرح قرینِ قیاس ہے۔ الغیب عنداللہ۔

رسالۂ قمیصیہ

(اُردو)

حجم ۲۰ صفحات، سائز ۱۷×۲۷/۸ مسطرہ ۲۵ سطری قلم متوسط۔ کتابت و طباعت خوشنما و دیدہ زیب کاغذ چکنا سفید اس کے سرورق پر سنہ[1] ۱۲۱۲ھ/۱۸۹۴ درج ہے۔ پرنٹ لائن ہے۔ در مطبع بلالی ساڈھورہ ضلع انبالہ رونق انطباع یافت۔ ناشر پیر شکور احمد آف شاہ آباد ہیں۔ سرورق کی پشت پر مشہور فارسی رباعی مندرج ہے۔ صفحہ ۳ سے متن شروع ہوا ہے جو صفحہ ۱۶ پر ختم ہوگیا ہے۔ اسی صفحہ پر منظوم شجرہ ہے۔ جس کے آخر میں تمت لکھا ہے۔ صفحہ ۱۷ پر پہلے منظوم دعا ہے پھر منظوم شجرہ ہے۔ منظوم دعا میں یہ دو شعر بھی ہیں۔ جو غماز ہیں مخصوص گروہ کی بدعقیدگی کے ؎

جو رکھے بغضِ رسولِؐ دو جہاں — سب خطاؤں کی یہ جڑ ہے بے گماں
جو ہے گستاخِ رسولِؐ کردگار — جڑ گناہوں کی ہے سُن اے نابکار

صفحہ ۱۸ پر عرضِ حال کے تحت ترکِ وطن ۱۹۴۷ء کا مختصر سا ذکر ہے اور موجودہ

---

[1] سنہ ۱۲۱۲ھ کو اگر سنہ ۱۸۹۴ عیسوی کی مطابقت کے اظہار کے لیے لکھا ہے تو صحیح نہیں ہے غلط ہے۔ سنہ ۱۲۱۲ھ کے مطابق عیسوی ۱۷۹۷ء ہے جو ہمارے لیے مفیدِ مدعا نہیں ہے۔ اسے کتابت کی غلطی قرار دینا ہوگا۔ اس لیے کہ یہ رسالہ بلالی پریس ساڈھورہ میں طبع ہوا ہے مگر ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ میں شمال میں کہیں بھی پریس کا رواج نہیں تھا۔ دہلی میں بھی ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ میں قائم ہوا تھا۔ نیز اس رسالے کے پہلے جملے میں میر محمد لاہوری کا ذکر ہے جنھوں نے ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ میں اپنی کتاب خوارقات...... تصنیف کی تھی۔ جس سے رسالۂ قمیصیہ ماخوذ ہے۔ اس لیے ماننا ہوگا کہ ۱۲ ۱۲ھ نہیں بلکہ ۱۳۱۲ھ ہے جو ۱۸۹۴ء کے مطابق ہے۔

سجادہ نشین درگاہِ قمیصیہ کے متعلق یہ لکھا ہے :-

ہندوستان میں مشہور و معروف شخصیت حضرت سید عبدالرّزاق کے صاحبزادے سید عبدالباسط قادری موجودہ سجادہ نشین ساڈھورہ شریف بھی آپ ہی کی اولاد سے ہیں۔

صفحہ ۱۹ پر شجرہ نسب ہے جو پیر شکور احمد آف شاہ آباد کے پوتوں پر ختم ہوا ہے۔
صفحہ ۲۰ پر اشتہار ہے اور آخر میں یہ پرنٹ لائن ہے :-

نیو عالمگیر پریس سیالکوٹ۔۔۔۔

مطابع کے دو مختلف نام یہ بتاتے ہیں کہ پہلے یہ رسالہ مطبع بلالی ساڈھورہ (انڈیا) سے شائع ہوا پھر ۱۹۴۷ء کے بعد تین صفحات کے اضافے سے نیو عالمگیر پریس سیالکوٹ (پاکستان) سے شائع ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آفسٹ پر طبع کرایا ہو اور پیر شکور احمد اینڈ سنز نے طبع کرایا ہو۔ لیکن واضح طور پر نہ تو ناشر کا نام ہے اور نہ طبعِ ثانی کی تاریخ ہے۔
رسالہ قمیصیہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ کتاب خوارقاتِ حضرت شاہ قمیص قادریؒ کی تصنیف میر محمد لاہوری مرتبہ گیارہواں جلوس اکبر شاہی (۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۷) کا اُردو ترجمہ ہے۔ آغاز ہی میں یہ جملہ ہے :-

امابعد۔ ملفوظاتِ پیر محمد لاہوری قادری میں مذکور ہے۔

اس جملہ سے یہ تو واضح ہے کہ یہ کتاب خوارقاتِ حضرت شاہ قمیص قادریؒ کی آواز بازگشت ہے۔ جسے رسالہ قمیصیہ کے مرتب نے ملفوظاتِ پیر محمد لاہوری قادری سے تعبیر کیا ہے جس کو عرفِ عام کے اعتبار سے ملفوظات سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ بالخصوص اس لیے کہ مصنف کا بیان یہ ہے :-

بندۂ ضعیف و نحیف بن عبداللہ الصمد میر محمد لاہوری کہ از معتقدانِ جناب حضرت قادریہ با قلت بضاعت و عدم استطاعت خوارقاتِ قطب الاقطاب ۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت سید سلطانُ الاولیاء پیرِ دستگیر سید شاہ قمیص الاعظم قادریؒ قدس اللہ سرہٗ العزیز از مشائخ

صاحب مقال و درویشانہ اہلِ حال اصغا نمودہ واز جائے بجائے
جمع کرد۔ تا خواص و عوام از مطالعہ اش مستفید شوند۔

لہٰذا یہ ملفوظات نہیں تصنیف ہے جسے انھوں نے خاص و عام کے استفادہ کے لیے مرتب کیا تھا اور ان کا یہ مخلصانہ کارنامہ ہنوز نفع بخش خاص و عام ہے۔ کرامات کی ترتیب اور مضمون کی یکسانی بھی موہنھ سے بڑی بول رہی ہے کہ رسالہ قمیصیہ کتاب خوارقات .... کا ترجمہ ہی ہے۔ مگر مترجم کا نام نہیں۔ ترجمہ بھی بے لطف اور سطحی ہے۔ کسی کسی روایت میں نازیبا الحاق بھی ہے جو عدم واقفیت کا غماز ہے۔ مثلاً ص ۱۱ میں لکھا ہے :-

ہمایوں بادشاہ نے سلیم شاہ بادشاہ دہلی سے پانی پت کے میدان میں فتح پائی اور تمام ہندوستان کی بادشاہی ہمایوں بادشاہ کو تفویض ہوئی۔

یہ تاریخ کی کھلی غلطی ہے۔ ہمایوں بادشاہ نے نہ تو دلی کے بادشاہ سلیم شاہ سے جنگ کی اور نہ پانی پت کے میدان میں فتح پائی۔ اس نے دلی کے بادشاہ سکندر شاہ سے سہرند میں جنگ کی تھی جس میں سکندر کو شکست اور ہمایوں کو فتح حاصل ہوئی تھی اور وہ سہرند سے براہ شاہ آباد دہلی پہنچ کر بادشاہ بنا تھا۔ عہدِ مغلیہ کی تاریخ کی ہر کتاب سے اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ جنگ ۹۶۲ھ 1554 میں ہوئی تھی۔

ایسی غلط بیانیوں سے یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ یہ مجموعۂ کرامات حقیقی نہیں بلکہ خودساختہ کذب بیانی کا مجموعہ ہے اور ایسی روایتوں سے کسی بزرگ کی شان بڑھتی نہیں گھٹتی اور مشتبہ و مشکوک ہو جاتی ہے ۔ اس سلسلہ میں یہ اعتراف برمحل ہوگا کہ کتاب خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ اس نقص سے مبرا ہے جس کا ذکر خیر ملفوظات پیر محمد لاہور کے نام سے رسالہ قمیصیہ کے پہلے ہی جملے میں موجود ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ میر محمد لاہوری بھی نامی گرامی اہلِ قلم اور مشہور انشا پرداز نہیں ہیں لیکن ان کی تحریر ان کی خوش اعتقادی اور ان کی [illegible] کی بیّن دلیل ہے۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے پوری احتیاط سے لکھا ہے اور [illegible] حقائق کی ترجمانی کی ہے۔

کتاب خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ اور رسالہ قمیصیہ کا تقابلی مطالعہ یہ بھی

بتاتا ہے کہ تین ایسی روایتوں کو رسالہ قمیصیہ میں شامل نہیں کیا ہے جو کتاب خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ کی زینت ہیں اور وہ یہ ہیں :۔

(۱) قطب الاقطاب سید عبدالوہاب ترمذیؒ کا اعتراف یہ فرمانا کہ ماہ من از ان آفتاب ہمچو سہا شد ۔ (۱۷)

(۲) صاحبزادگان (سید شاہ محمد و سید شاہ ابوالمکارم) کا باہم زور آزمائی کرنا اور ارواح بزرگاں کا تشریف فرما ہونا (۳۰)

(۳) کتاب سنوات الاتقیاء سے ماخوذ کرامت (۲۴۔۲۵)

یہ ممکن ہے کہ پیر شکور احمد آف شاہ آباد کو ناقص نسخہ دستیاب ہوا ہو یا امتداد زمانہ سے یہ روایتیں ناقابل خواندگی ہو گئی ہوں اور شامل نہ کی جا سکی ہوں۔ یہ بھی ہے کہ رسالۂ قمیصیہ میں پانچ ایسی روایتوں کا اضافہ ہے۔ جو کتاب خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ میں نہیں ہیں اور وہ یہ ہیں :۔

(۱) چور کا ولی بن جانا (۱۱۔۱۲)

(۲) حجرے کا وجود مبارک سے معمور ہو جانا (۱۴)

(۳) نالے میں بکثرت پارس پتھریاں ہونا (۱۲)

(۴) اکبر بادشاہ کا حضرت کو طلب کرنا (۱۴)

(۵) بہار میں وفات کا ذکر (۱۵)

ان اضافی روایتوں کا اسلوب بیان بھی کسی قدر بے ربط ہے تاہم پیر سید شکور احمد صاحب کی یہ کوشش لائق تحسین ہے کہ انھوں نے کمیاب ذخیرۂ کرامات کو روشناس کرایا۔ حالانکہ ان سے پہلے کسی نے توجہ بھی نہیں کی تھی۔ اس خصوصیت سے وہ افراد خاندان میں ممتاز اور مستحق شکریہ ہیں۔ اگر وہ اتنا اور کر لیتے کہ کسی سنجیدہ اہل قلم سے نظر ثانی کرا لیتے تو ان کا یہ کارنامہ امر ہو جاتا بہر حال ان کی یہ کوشش بار آور ہے کہ موجودہ سجادہ نشین حضرت پیر سید عبدالباسط شاہ صاحب قمیصی قادری مدظلہٗ نے اسی کو بعینہٖ (۱۳۹۰ھ ۱۹۷۵ء میں) محمدی پریس دیو بند (ضلع سہارن پور (انڈیا) سے دوبارہ شائع کرایا جس کے آخر میں

قصیدۂ غوثیہ عربی کا اضافہ ہے۔ تاریخ طبع درج نہیں ہے۔

یہ المیہ ہے کہ حضرت قمیص اعظم قدس اللہ سرہٗ العزیز جیسے بزرگ کے حالات پر کوئی مستقل و مستند تصنیف دستیاب نہیں ہوتی۔ حالانکہ ان ہی کے دم قدم سے ہند و پاک میں خانوادۂ قادریہ نے فروغ پایا ہے۔ اور اگرچہ آپ کی اولاد پاک نہاد میں کئی جلیل القدر بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان میں حضرت مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ (گولڑہ شریف۔ پاکستان) شمالی ہند کی معروف شخصیت ہیں۔ (مہر منیر شجرہ نسب سادات حسنی حضرت میراں قادر قمیص) جن کی درگاہ فلک بارگاہ سے ہنوز فیض جاری ہے اور جنوبی ہند (حیدر آباد) میں حضرت سید شاہ نور الدین قمیصی قادری علیہ الرحمتہ والغفران بلند مرتبہ بزرگ گزرے ہیں جو نواب افضل الدولہ نظام دکن کے پیر و مرشد تھے۔ ایک بزرگ پیر علی احمدؒ ہوئے ہیں۔ جن کا مزار شاہ آباد (ضلع کرنال) میں ہے۔ ان ہی کے صاحبزادے پیر شکور احمد صاحب ہیں جو رسالۂ قمیصیہ کے ناشر ہیں۔

عہد حاضر ۱۴۰۵ھ / 1985 میں مجلس معارف صوفیہ لاہور (پاکستان) کی طرف سے ۳۲ صفحات کا ایک کتابچہ شائع ہوا ہے جو تذکرۂ قمیص الاعظمؒ ہے۔ اس کا مطالعہ بتاتا ہے کہ بعض بیانات محتاج ثبوت ہیں۔ بعض متضاد اور بعض مبنی بر الحاق ہیں[1]۔ مرتب نے

---

[1] مثلاً خواتین کے نام ام کلثوم۔ ام عمارہ (ص ۱۱-۱۳) اور حضرت غوث الثقلین سید عبد القادر جیلانی کے مدفون شہر بغداد میں سات سال مقیم رہے (ص ۱۴) محتاج ثبوت ہیں (۲) نصیب شاہ ۹۲۵ھ / 1519 تا ۹۳۹ھ / 1532 بنگالہ کا حکمراں رہا (ص ۱۲ سطر ۱) پانچویں سطر میں لکھا ہے سید شاہ قمیص الاعظمؒ کی ولادت ۹۲۲ھ / 1516 میں ...... سلطان بنگالہ ناصر الدین نصرت شاہ کے عہد حکومت ... میں ہوئی۔ نصیب شاہ ناصر الدین نصرت شاہ ہی کا عرف ہے۔ جب وہ ۹۲۲ھ / 1516 میں حکمراں ہی نہ تھا تو اس کے عہد حکومت (۹۲۵ھ / 1519 تا ۹۳۹ھ / 1533) میں حضرت قمیص اعظمؒ کیسے تولد ہو گئے۔ کسی سواد خواں سے بھی ایسی لغو بیانی کی توقع نہیں ہو سکتی جن کا قلم سطحی لغزشوں سے بھی پاک نہ ہو، ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ (۳) خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حویلی کی ڈیوڑھی پار کرنے سے پہلے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا الخ (ص ۱۶ سطر ۸-۹) یہ صریح الحاق ہے خوارقات.... میں یہ نہیں ہے (خوارقات ۱۹) حیرت ہے کہ کنز الانساب سے بھی (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

اپنے مآخذات کا عمیق نگاہی سے مطالعہ بھی نہیں کیا ہے۔ اس کا محرک غالباً یہ جذبہ ہے کہ قمیصی افراد کو ناکام خود مختاری و طلب امارت کی تحریک سے وابستہ ثابت کیا جائے۔ سچ ہے ؎

دوست وہ کرتے ہیں دشمن سے جو ہو سکتا نہیں

بلاشبہ ضرورت ہے کہ قدیم و مستند مآخذات سے حضرت قمیص اعظمؒ کی جامع سیرت لکھی جائے۔ اور آپ کے فیوضِ برکات کو دلپذیر اسلوب سے نشر کیا جائے۔ تاکہ روحانی معاشرہ فروغ پائے اور اسلامی و ایمانی قدروں سے انسانیت مستفید ہو سکے۔ مناسب ہے کہ شاہ قمیص اکیڈمی قائم کی جائے اور ان قلمی کتابوں کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں فراہم کی جائیں جو ہند و پاک میں بعض اشخاص کی تحویل میں بتائی جاتی ہیں اور ان سے بآسانی استفادہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر حضرت قمیص اعظمؒ کی اولاد پاک کے مقتدر اشخاص اس طرف متوجہ ہوں تو یہ کارِ خیر بآسانی انجام پا سکتا ہے۔ ورنہ یہی ہوگا کہ غلط بیانی سے سیرت کو بگاڑ بگاڑ کر پیش کیا جائے گا جو مستقبل کا دردناک حادثہ ہوگا۔

رسالۂ قمیصیہ طبع اول

خداوندِ قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ رسالۂ قمیصیہ بھی دستیاب ہوگیا جو سب سے پہلے مطبع بلالی ساڈھورہ سے شائع ہوا تھا اس کا سائز ۲۶ × ۲۰ / ۸ ہے۔ ۲۳ سطری مسطر ہے اور ۴۲ صفحات حجم ہے۔ ناشر کا نام درج نہیں ہے۔ البتہ سر ورق پر یہ لکھا ہے:۔ بارشادِ عالی جملہ حضرات اولادِ حضرت شاہ قمیص الاعظم رحمۃ اللہ علیہ۔

اس سے یہ ظاہر ہے کہ اس کے ناشر مالکِ مطبع ہیں اور جو رسالۂ قمیصیہ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد نیو عالمگیر پریس سیالکوٹ پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ چونکہ اس کے سر ورق پر بھی مطبع بلالی ساڈھورہ اور ناشر کا نام پیر شکور احمد صاحب لکھا ہے اس لیے یہ سمجھا گیا کہ طبع اول کے ناشر بھی پیر شکور احمد صاحب ہی ہیں مگر ایسا ہے نہیں۔ البتہ متن اصلی یکساں ہے۔ اور چونکہ رسالہ قمیصیہ طبع اول بعد از کتابت دستیاب ہوا ہے۔ لہٰذا اطلاعِ عام کے لیے یہ چند سطور لکھ دی ہیں۔

(اخلاق حسین دہلوی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مددلی ہے جو نامعتبر کتاب ہے جسے فہرست مآخذات میں بھی جگہ نہیں دی ہے۔

خوارقات

حضرت قمیص اعظم قادریؒ

(میر محمد لاہوری)

مترجم و مرتب

(اخلاق حسین دہلوی)

یکے از اخلاف پیران پیر دستگیر ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانی
محبوب سبحانی قطب ربانی قدس اللہ سرہٗ العزیز

لال محل
بستی حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی
110013
انڈیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا اور اللہ پاک کے برگزیدہ رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین پر صلوٰۃ وسلام کے بعد بندۂ ضعیف ونحیف میر[1] محمد لاہوری بن عبد اللہ الصمد جو حضرات قادریہ ـــــ کے عقیدتمندوں میں سے ہے کم علم وکم استعداد ہونے کے باوجود اس ناچیز نے قطب الاقطاب غوث الاولیا، رکنِ دینِ نبوی استحکام شرع مصطفوی مُرشدِ کامل وواصل یگانۂ روزگار دافعِ علائقِ مبیں باکرامت فاخرہ وخوارق باہرہ حضرت سلطان الاولیاء پیر ودستگیر حضرت سید شاہ قمیص الاعظم قادری قدس اللہ سرہ العزیز کے خوارق وکرامات جو مشائخ صاحبِ مقال اور درویشانِ صاحب حال سے پوری توجہ سے سُننے اور جابجا سے فراہم کیے ہیں اس مقصد سے یہ ناچیز قلمبند کرتا اور لکھتا ہے کہ اس کے مطالعہ سے عام وخاص کو فائدہ پہنچے۔

رویائے صادقہ حضرت سید شاہ قمیص الاعظم قدس اللہ سرہٗ العزیز کی کرامتوں میں سے سب سے پہلی کرامت یہ ہے کہ ۲۷ رمضان المبارک شب جمعہ کو

---

[1] یہ لفظ مبیضہ میں میر لکھا ہے۔ نیچے بڑا سا نقطہ ہے جو دو نقطوں کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ میم کا پورا شوشہ بھی نہیں ہے۔ بعض نے اسے پیر نقل کیا ہے۔ مگر پ کے تین نقطے بھی نہیں ہیں۔ اسلیے میر کی بہ نسبت میر قرین قیاس ہے۔ وہی میں نے لکھا ہے۔

آپ کے جدِ بزرگوار قطب الاقطاب حضرت سید شاہ تاج الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے جدِ محترم محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی حضرت پیران پیر[۱] دستگیر قدس اللہ سرہٗ العزیز کے روضۂ اقدس واقع بغداد شریف کے دروازے میں سو رہے تھے کہ خواب میں دیکھا کہ حضرت پیران پیر دستگیر غوثِ اعظم محی الدین عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ العزیز تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں کہ "اے برخوردار تمہارے لیے اللہ پاک کا اور حضورِ اکرم[۲] فداہ امی وابی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم یہ ہے کہ تم جلدی سے جلدی ملک بنگالہ چلے جاؤ اور وہاں کے سلطان

---

[۱] حضرت پیران پیر دستگیر محی الدین عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے والدِ بزرگوار کی طرف سے حضرت امامِ حسنؑ کی اولادِ پاک نہاد سے ہیں اور والدۂ ماجدہ کی طرف سے حضرت امامِ حسینؑ شہیدِ کربلا کی اولادِ پاک نہاد سے ہیں۔ اسی لیے آپ حسنی حسینی مشہور ہیں۔ اپنے عہد کے سب سے بڑے عالمِ شریعت و طریقت تھے۔ روحانیت میں بہت بلند مقام ہے۔ خوارق و کرامات بکثرت ہیں اور شہرۂ آفاق ہیں۔ آپ کا فیض ہنوز جاری ہے اور تا قیامت رہے گا۔ جملہ خانوادۂ طریقت آپ کے فیض سے فیضیاب ہیں۔ آپ نے دینِ اسلام کو از سرِ نو زندگی بخشی تھی اسی لیے محی الدین یعنی دین کو زندہ کرنے والے آپ کا لقب ہے۔ کمالِ علمی یہ تھا کہ آپ شافعی مسلک کے مطابق بھی فتویٰ صادر فرماتے تھے اور حنبلی مسلک کے مطابق بھی، جو تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو رُوحِ پُرفتوح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ایصالِ ثواب کرتے اور کھانا کھلاتے تھے۔ اسی لیے گیارہویں آپ کے نام سے مشہور ہوئی (ماثبت بالسنہ شیخ عبد الحقؒ محدث دہلوی)۔ آپ ۴۷۰ھ/1078 عہدِ خلیفہ مقتدی باللہ عباسی میں پیدا ہوئے اور ۹ ربیع الآخر ۵۶۱ھ/1166 عہدِ مستنجد باللہ عباسی میں وفات پائی۔ مزارِ پُرانوار عروس البلاد بغداد میں ہے اور مرجعِ خلائق ہے یزار و یتبرک بہ۔

[۲] حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ مصری عالمِ ہیئت محمود پاشا فلکی کی تحقیق کے مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو عرب کے معزز ترین خاندان بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ حضرت عبد اللہ آپ کے والدِ بزرگوار تھے اور حضرت عبد المطلب آپ کے جدِ بزرگوار تھے جو پورے عرب کے سردار تھے۔ حضرتِ آمنہ آپ کی والدۂ محترمہ تھیں۔ آپ بچپن ہی سے نیک صفات (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

شاہ حسینؒ کو بیعت کرلو۔ وہ میرا بہت سچا معتقد ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور نیکو کار تھے۔ اسی لیے اہلِ مکہ آپ کو صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ۴۰ برس کی عمر میں منصبِ نبوت پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد ۱۳ برس مکۂ معظمہ میں تبلیغ دین و ہدایت کی خدمات انجام دیں اور سخت ترین تکالیف کا تحمل فرماتے رہے۔ پھر بحکمِ الٰہی مدینۂ منورہ ہجرت فرمائی قیامِ مدینہ میں تاریخ کی اہم ترین لڑائیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جن میں سے جنگِ بدر۔ جنگِ اُحد اور جنگِ احزاب مشہور ترین ہیں۔ رمضان ۸ھ/629ء ہجری میں مکہ مکرمہ کو فتح کیا اور پرچم اسلام لہرایا۔ اسلام کو فروغِ کامل نصیب ہوا۔ اور نیکی و نکو کاری کی فضا برپا ہوئی۔ انسان نما درندے فی الواقع انسان بن گئے تاریخِ وفات میں راویوں کا اختلاف ہے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ "کتبِ حدیث کا تمام دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی مجھ کو کوئی روایت حدیث میں نہیں ملی"۔ (سیرۃ النبی جلد ۲ ص ۱۷۲ حاشیہ) یہ بہت ہی افسوس ناک حادثہ ہے۔ اربابِ سیر میں سے بیہقی نے دلائل میں مسند صحیح سلیمان التیمی سے ۲ ربیع الاول کی روایت نقل کی ہے۔ حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ (المتوفی ۶۷۰ھ/۱۲۷۱ء بعمر ۹۲ سال) کا ارشاد ہے:-

نقل کردن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در دوم ماہ ربیع الاول بود .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ حجرہ بودند۔ ہر روز یک حجرہ طعام می داد۔ چوں ہر نہ حجرہ طعام داد۔ روز دوازدہم امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ طعام داد۔ چنداں کہ جملہ خلق مدینہ را رسید۔ چوں روز دوازدہم شہرت یافتہ ازیں جہت مسلمانان دوازدہم روز عرس می کنند و می گویند عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ

۲ ربیع الاوّل کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی .... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو بیویاں (ازواج مطہرات حیات) تھیں ہر ایک نے ایک ایک دن کھانا دیا (ایصالِ ثواب کیا) جب وہ نو کی نو کھانا دے چکیں تو بارہویں تاریخ کو امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھانا دیا اور اتنا دیا کہ سب ہی مدینے والوں کو پہنچا۔ چونکہ بارہویں مشہور ہوگئی اسی لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

خواب دیکھتے ہی آنکھ کھل گئی۔ آپ حیران رہ گئے اور سوچنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ بنگالہ کہاں ہے۔ میں نے تو کبھی نام بھی نہیں سُنا جاؤں تو کہاں جاؤں؟ اسی سوچ اور فکر میں پھر آنکھ لگ گئی۔ پھر یہی دیکھا کہ جدِ بزرگوار محبوبِ سبحانی قطب ربّانی حضرت پیران پیر دستگیرؒ تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں ملک بنگالہ چلے جاؤ اور شاہ حسین سلطانِ بنگالہ کو بیعت کرلو اللہ پاک کا اور اللہ پاک کے برگزیدہ رسول محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہی حکم ہے۔ پھر آنکھ کھل گئی اور بھی حیرت ہوئی۔ سوچنے لگے کروں تو کیا کروں؟ جاؤں تو کہاں جاؤں؟ ملک بنگالہ کہاں ہے؟ کدھر ہے؟ کس طرف ہے؟ کس سے پوچھوں؟ کون

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے پیوستہ)

وآلہٖ وسلم دوازدہم[12] است۔ اما بروایت صحیح نقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم در دوم ماہ ربیع الاوّل بود۔

(راحت القلوب ص ۶۶)

مسلمان بارہویں[12] ہی کو آپ کا عرس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بارہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عرس ہے (بارہ وفات) ہے لیکن صحیح روایت کے مطابق ۲ ربیع الاول کو آپؐ کی وفات ہوئی ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آخر یوم یعنی دوشنبہ (پیر، سموار) کے آخری وقت وفات پائی۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ/632 ہجری یوم دوشنبہ کو آپ نے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رحلت فرمائی۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

(صفحہ گزشتہ کا حاشیہ[1]) [1] شاہ حسین کا نام سید شریف مکی ہے اور علاءالدین ابوالمظفر شاہ حسین لقب ہے۔ حسینی سادات سے تھا۔ شاہ حسین عرف عام ہے۔ یہ پہلے سیدی بدر والیٔ بنگالہ کا وزیر تھا جو بہت ظالم تھا۔ اس کے خلاف بغاوت ہوئی اور وہ مارا گیا۔ شاہ حسین سے پبلک خوش تھی اس لیے سیدی بدر کے بعد شاہ حسین کو بادشاہ بنایا گیا۔ شاہ حسین ۸۹۹ھ/1493 میں تخت نشین ہوا اور ۹۲۵ھ/1519 میں وفات پائی۔ ۲۷ برس بادشاہت کی۔ اس زمانے میں شمالی ہند میں پہلے سلطان بہلول لودھی حکمراں ہوا تھا جب اس کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا سکندر لودھی بادشاہ بنا جو ۹۲۳ھ/1517 میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم لودھی بادشاہ بنا جو بابر بادشاہ سے لڑتے ہوئے ۹۳۲ھ/1525 میں پانی پت کے میدان میں مارا گیا۔ وہیں بلند چبوترے پر اس کی قبر ہے۔ اس میدان کو کالا آم کہتے ہیں۔

بتائے گا؟ اسی سوچ و بچار میں پھر آنکھ لگ گئی تو دیکھا کہ جدِ بزرگوار حضرت پیران پیر دستگیر محبوب سبحانی قطب ربانی تشریف فرما ہیں اور بڑے پیار سے اور بڑی شفقت سے فرماتے ہیں کہ برخوردار! تم یہاں سے ملک ہندوستان جاؤ۔ وہاں پہنچو گے تو تمھیں بآسانی ملک بنگالہ کا پتہ نشان مل جائے گا جاؤ جلدی سے چلے جاؤ۔

(۳) سفرِ بنگالہ قطب الاقطاب حضرت سید تاج الدین قادریؒ بیدار ہوئے تو آمادۂ سفر ہو گئے۔ سواری لی اور خشکی کے راستے (ہندوستان جانے والے قافلے کے ساتھ) سفر اختیار کیا۔ اثنائے راہ میں آپ سے بہت سی عجیب و غریب کرامتیں[1] ظہور میں

---

[1] کرامت امرِ مطلوب نہیں ہے بلکہ اضافی ہے۔ یہ وصف برضائے الٰہی طالبوں سے بعد تکمیل بلا طلب جلوہ گر ہوتا ہے البتہ ابتدائی حالات میں کرامات کا اخفا اشد ضروری ہے کیونکہ اظہار سے مقصدِ اصلی فوت ہو جاتا ہے۔ طبقۂ جنیدیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سلوک کے سَو درجے ہیں سترہواں درجہ کرامت کا ہے۔ (فوائد السالکین ص۲۰) (سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ حضرت پیران پیر دستگیرؒ کے پیرانِ طریقت میں سے بزرگ ترین پیر تھے ان ہی کے متبعین کے گروہ کو طبقۂ جنیدیہ کہتے ہیں) حضرت محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیاؒ کا ارشاد ہے:۔

سلوک را صد مرتبہ نہادہ اند و ہفدہم مرتبہ کشف کرامت است اگر سالک ہمدریں مرتبہ بماند ہشتاد و سہ دیگر کے برسد۔

(فوائد الفواد ص ۱۱۷)

انھوں نے یعنی مشائخ جنیدیہ نے سلوک کے سَو درجے قرار دیے ہیں۔ سترہواں درجہ کشفِ کرامت کا درجہ ہے۔ اگر سالک کشفِ کرامت ہی کے درجہ میں اٹک کر رہ گیا تو دوسرے تراسی درجوں سے کیسے فیضیاب ہوگا۔

بہرحال اس ہدایت کا اور اس احتیاط کا تعلق منازلِ سلوک طے کرنے کے زمانے سے ہے تکمیل کے بعد یہ اختیاری امر ہے تاہم اخفا بہتر ہے لیکن تکمیل کے بعد خود بخود بھی اظہار ہوتا رہتا ہے اور ضرورتاً بالارادہ بھی اظہار کیا جا سکتا ہے قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکیؒ کا ارشاد ہے:۔

(باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

آئیں (جن سے ہمراہی متاثر ہوتے اور معتقد ہوتے گئے) الغرض آپ ہندوستان پہنچ گئے تو ملکِ بنگالہ کا پتہ نشان بھی مل گیا۔ آپ نے (ملکِ بنگالہ جانے والے قافلے کے ساتھ) ملکِ بنگالہ کی راہ لی۔ حتیٰ کہ ملکِ بنگالہ کی راجدھانی گوڑہ جا پہنچے (جسے لکھنوتی بھی کہتے ہیں)

آپ نے شہر میں قیام کیا۔ شاہ حسین سے نہ تو ملاقات کی اور نہ اپنے آنے کی اطلاع دی بلکہ ہوا یہ کہ وہاں بھی آپ سے بہت سی کرامتیں ظہور میں آئیں اور ان کی بڑی شہرت ہوئی خوب چرچا ہوا وہاں کے رہنے والے بکثرت حاضرِ خدمت ہو کر فیضیاب ہونے لگے حتیٰ کہ وہاں کے بلند پایہ سادات کرام اور مشائخ عظام اور امرائے عالی مقام آپ کے کشف وکرامت کے مشتاق ہو ہو کر پروانہ وار آنے لگے۔ مرید ہوتے اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے چلے جاتے۔ غرض کہ آپ کے کمالات کی خوب شہرت ہو گئی اور سب ہی واقف ہو گئے حتیٰ کہ شاہ حسین بھی واقف ہو گیا۔

(۴) شاہ حسین کا حاضرِ خدمت ہونا

جب یہ اطلاعات شاہ حسین کو پہنچیں جو پہلے ہی سے حضرت پیران پیر دستگیر محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی کا معتقد بلکہ حلقہ بگوش تھا تو وہ بھی بڑی عقیدتمندی سے اور بڑے ہی ادب واحترام کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا اور نذرانۂ عقیدت پیش کیا اور متواتر حاضرِ خدمت ہوتا رہا۔ جب اس نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیا کہ بڑے بڑے عارف وکامل اور زاہد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

چوں صدمرتبہ ہم طے کند آں گاہ ہرچہ خواہد کشف کند ...... مردِ کامل آنست کہ خود را تا آں زماں کشف نہ کند۔ تا تمام حاصل نہ کند (فوائد السالکین ص ۲۷) آئینہ ملفوظات

جب سَو مرتبے پورے طے کرے تو پھر جو چاہے ظاہر کرے ... پھر اظہارِ کرامت کی ممانعت نہیں ہے) ... مردِ کامل وہی ہے جو اپنے کو اس وقت تک ظاہر نہ کرے جب تک تکمیل نہ کرلے۔

گویا کہ ظہورِ کرامات سے یہ ثابت ہے کہ قطب الاقطاب حضرت سید تاج الدین قادریؒ اظہارِ کرامات کے منصب پر فائز تھے اور منازل سلوک طے فرما چکے تھے۔

(گوشہ نشین جو سالکانِ راہِ طریقت کی اولادِ پاک نہاد سے ہیں وہ سب آپ کے عارفانہ کلام سے اور آپ کی پاکیزہ اور معارف پرور گفتگو سے اور عرفانِ حق کی روشن نشانیوں سے متاثر ہیں اور آپ کی بلند پایہ عارفانہ شخصیت کے آگے سرنگوں ہیں اور تسلیم کرتے ہیں تو (دل کی بات بھی زبان پر آئی) سلطان شاہ حسین نے اپنے ہمراز و معتبر امیروں میں سے ایک امیر کو بلایا اور دل کی بات اس سے کہی اور کہا کہ تم قطب الاقطاب حضرت سید تاج الدینؒ قادری کی خدمتِ فیض درجت میں حاضر ہو اور میری طرف سے بڑے ادب کے ساتھ یہ عرض کرو :۔

(۵) پیامِ شادی

مدت سے میری نیت اور میری خواہش یہ ہے کہ میں اپنی ایک لڑکی کو حضرت غوثِ اعظم پیران پیر دستگیر محبوبِ سبحانی قطبِ ربّانی محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کی اولادِ پاک نہاد میں سے کسی کی خدمتِ وضو کے لیے نذر کروں۔ اللہ پاک نے ازراہِ کرم آپ کو یہاں بھیج ہی دیا ہے تو میری یہ درخواست ہے کہ آپ مجھ ناچیز کی برخورداری کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں تو یہ میرے لیے موجبِ سعادت ہوگا اور میری دخترِ نیک اختر کے لیے بھی۔

قطب الاقطاب حضرت سید تاج الدین قادریؒ نے امیرِ ہمراز کی زبانی یہ گفتگو سُنی تو مسکرائے (شاید کہ آپ کبیر السن ہوں) آپ نے فرمایا کہ میرا لڑکا سید ابوالحیات قادری بغداد شریف میں ہے اسی کے لیے یہ امرِ الٰہی ہے کہ سلطان اپنی لڑکی کو اس کی زوجیت میں دیں میں تو اس ملک کی سیر کے لیے اور بادشاہ کو دیکھنے اور ملاقات کے لیے آیا ہوں۔

قطب الاقطاب حضرت سید تاج الدین قادریؒ نے شاہی امیر سے جو یہ پیام لایا تھا یہ بھی کہا کہ میں اپنے لڑکے سید ابوالحیات قادریؒ کو خط بھیجتا ہوں اور دو معتبر درویشوں کو بھیجتا ہوں کہ وہ میرا خط پہنچا دیں۔ خط کے پہنچتے ہی وہ انشاءاللہ ان کے ہمراہ آجائیگا۔ بہتر یہ ہے کہ بادشاہ بھی اپنے معتبر آدمیوں کو ان کے ساتھ بھیج دیں۔ جب وہ آجائے تو جدِ بزرگوار حضرت پیرانِ پیر دستگیر محبوب سبحانی قطبِ ربانیؒ کے ارشاد کے مطابق اپنی صاحبزادی کا عقدِ مسنون اس سے کردیں۔ سلطان شاہ حسین نے آپ کے ارشاد پر عمل

کیاکہ درویشوں کے ہمراہ صاحبزادہ سید ابوالحیاتؒ قادریؒ کو لانے کے لیے اپنے معتبر آدمی بھی بھیج دیئے (یقین ہے کہ مصارفِ سفر کا بھی خاطر خواہ انتظام کیا ہوگا)

سیّد ابوالحیاتؒ کی آمد اور شادی

یہ مختصر سا قافلہ ملک بنگالہ سے بغداد شریف کے لیے روانہ ہوا (یہ بھی ہوا ہو کہ کسی بڑے قافلے کی ہمراہی اختیار کی ہو کہ سفر طویل تھا کوہ وصحرا اور دشت و دریا سے گزرنا تھا بڑے قافلوں کے ساتھ راہ آشنا رہبر بھی ہوتے تھے جو واقف ہوتے تھے کہ کہاں سے کون سا راستہ لینا ہے۔ کس وقت کہاں پہنچنا ہے اور کہاں پڑاؤ ڈالنا ہے تاکہ قافلے والوں کی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں اور قافلہ بحفاظت تمام منزلِ مقصود کو پہنچ جائے)

بہرحال یہ مختصر سا قافلہ بغداد شریف پہنچ گیا۔ صاحبزادے سید ابوالحیات قادریؒ کو ان کے والدِ بزرگوار کا خط بھی پہنچ گیا اور وہ اپنے والدِ بزرگوار کے حسبِ طلب اسی قافلے کے ساتھ ملک بنگالہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ صاحبزادے صاحب چار سال نو ماہ کے بعد ملک بنگالہ کی راجدھانی گوڑہ (لکھنوتی) پہنچے تھے۔ (یقین ہے کہ سلطان شاہ حسین کی طرف سے اس قافلے کا شایانِ شان استقبال بھی کیا گیا ہوگا) جب یہ قافلہ بخیریت پہنچ گیا تو سلطان شاہ حسین نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادِ باطنی کے مطابق اپنی دخترِ نیک اختر[1] کا نکاح صاحبزادے سید ابوالحیات قادریؒ سے کر دیا۔ (بادشاہ کی دلی مراد پوری ہوئی یقین ہے کہ دلی مسرت بھی نصیب ہوئی ہوگی اور شادی بھی شان و شوکت ہی سے کی ہوگی) اللہ پاک نے اولاد سے بھی نوازا۔ ان عفیفہ کے بطن سے تین صاحبزادے تولد ہوئے۔

(۱) سید شاہ محمد ذاکری قادریؒ (ممکن ہے محمد ذاکر نام اور ذاکری عرف ہو)

(۲) حضرت سلطان الاولیا، سید شاہ قمیص[2] الاعظم قادریؒ (حضرت سید ابوالحیات

---

[1] سید اظہار احمد گیلانی نے تذکرۂ قمیص الاعظمؒ ص ۱۱ میں ان خاتون کا نام اُمِّ کلثوم لکھا ہے جو محتاجِ ثبوت ہے۔ [2] سید اظہار احمد گیلانی نے تذکرۂ قمیص الاعظمؒ ص ۱۲ میں حضرت قمیص الاعظمؒ کا سنہ ولادت $\frac{922}{1516}$ لکھا ہے جو ظنی ہے اور محتاجِ ثبوت ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

قادریؒ کے فرزندوں میں اہم ترین شخصیت آپ ہی کی ہے)
(۳) سید شاہ عبد العزیز قادریؒ۔

(۷) **نسب نامہ** حضرت سید شاہ قمیص الاعظم قادریؒ[۱] ابن سید شاہ ابو الحیات قادریؒ[۲] ابن سید شاہ تاج الدین قادریؒ[۳] ابن سید شاہ بہاء الدین قادریؒ[۴] ابنِ سید شاہ جلال قادریؒ[۵] ابن سید شاہ داؤد قادریؒ[۶] ابن سید شاہ علی جمال اللہ قادریؒ[۷] ابنؒ[۸] سید شاہ ابو صالح نصرؒ قادری ابن سید شاہِ شاہاں شاہ[۹] عبد الرزاقؒ[۱۰] قادریؒ ابن سید شاہ حضرت قطب الاقطاب غوث الصمدانی محبوبِ سبحانی میراں سید محی الدین ابو محمد عبد القادر[۱۱] جیلانی الحسنی الحسینی الشافعی الحنبلی قدس اللہ سرہٗ العزیز۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت قمیص الاعظم کا نام نامی بھی محی الدین لکھا ہے (ص ۱۱) جو کسی مشہور اہل قلم نے نہیں لکھا ہے۔ مہر منیر (شجرہ نسب سادات حسنی) مرتبہ مولانا فیض اللہ قلمی میں میراں قادر قمیصؒ لکھا ہے۔ یہی زبانِ زدِ خاص و عام ہے۔ محمد ذاکر کے تعلق سے آپ کا نام محمد قادر ہو سکتا ہے اور عبد العزیز کی نسبت سے عبد القادر ہو سکتا ہے۔ جو قرینِ قیاس بھی ہے۔

[۱] رسالۂ قمیصیہ میں ابو صالح نصر سے پہلے ایک نام مکرر ہے۔ جو زائد ہے۔

[۲] حضرت سید شاہ عبد الرزاق قادریؒ حضرت پیران پیر دستگیرؒ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ ابو بکر اور ابو الفرح آپ کی کنیت ہے۔ جلیل القدر عالمِ عصر تھے۔ ملکِ عراق کے مفتیِ اعظم تھے۔ تاج الدین اور تاج العلماء لقب تھا۔ علومِ دینیہ میں اور سلوک و روحانیت میں آپ اپنی نظیر تھے۔ سلوک میں اور علومِ دینیہ میں اپنے والدِ بزرگوار سے فیضیاب تھے۔ امام شریعت و طریقت تھے۔ خانوادۂ قادریہ کے کتنے ہی سلاسل آپ سے جاری و ساری ہیں۔ آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ (۱) ابو صالح نصرؒ (۲) ابو القاسم عبد الرحیمؒ (۳) ابو محمد اسماعیلؒ (۴) ابو المحاسن فضل اللہؒ (۵) سید جمال اللہؒ آپ کے بڑے صاحبزادے ابو صالح نصرؒ کی اولادِ پاک، نہاد سے کئی بزرگ صاحب کمال ہندوستان میں تشریف فرما ہوئے اور مخلوقِ خدا کی راہنمائی فرمائی۔ ان میں سے اولین شاہ سید اسمعیلؒ بن سید ابدالؒ ہیں۔ یہ بزرگ سید عبد الجبار بن ابو صالحؒ نصر کی اولاد سے تھے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(۸) حضرت سید تاج الدینؒ کی بغداد واپسی

خاصی مدت بعد قطب الاقطاب

حضرت سید تاج الدین قادریؒ نے اپنے وطن مالوف بغداد شریف واپس جانے کا عزم فرمایا۔ اپنے مریدوں سے اور اپنی اولاد سے رخصت ہوئے اور نصیحت فرمائی کہ تم یہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قلعہ رنتھنبور میں قیام تھا۔ شیخ محمد حسن و شیخ امانؒ پانی پتی اور شیخ عبدالرزاق جھنجانویؒ آپ کے خلفاء میں سے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے قبل از ایشاں احدے از اولاد حضرت غوث رخ بہ ہندوستان نہ کرد۔ اگر کرد قیام نہ پذیر رفت (خزینۃ الاصفیا) ۹۰۶ھ/1500 میں واصلِ حق ہوئے۔ مزار رنتھنبور میں ہے۔ (۲) سید بہاء الدین گیلانیؒ معروف بہاول شیر۔ یہ بزرگ علی جمال اللہ ابن ابو صالح نصرؒ کی اولادِ پاک نہاد سے تھے۔ کراماتِ عجیبہ و غریبہ آپ سے منسوب ہیں عمر بھی بہت طویل پائی ۹۷۳ھ/1565 ہجری میں وفات پائی۔ مزار پُر انوار بمقام حجرہ ہے۔ (۳) سید بدرالدین عرف شاہ بدر گیلانیؒ عہدِ اکبری میں لاہور تشریف لائے (یہ بزرگ سید احمد متقی بن سید ابو صالح نصرؒ کی اولاد سے تھے) مخلوق کو راہِ ہدایت پر لگایا بہت سے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے۔ ۱۰۱۸ھ/1609 میں وفات پائی۔ مزار پُر انوار موضع مسانیاں علاقہ پٹیالہ میں ہے اور مرجعِ خلائق ہے۔ (۴) حضرت شاہ قمیصِ اعظمؒ کے والد بزرگوار عہد لودھی میں بنگالہ آئے۔ سلطانِ بنگالہ کی صاحبزادی کو زوجیت میں قبول کیا۔ حضرت قمیصِ اعظمؒ بنگالہ ہی میں تولد ہوئے۔ وہیں پرورش پائی۔ ہندوستان ہی میں رہے۔ یہ بزرگ سید شاہ علی جمال اللہ ابن سید شاہ ابو صالح نصرؒ کی اولادِ پاک نہاد سے تھے اور بڑے ہی صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے۔ ۹۹۲ھ/1584 میں واصلِ حق ہوئے۔ مزار پُر انوار ساڈھورہ ضلع انبالہ میں ہے اور مرجعِ خلائق ہے یزار و یتبرک بہٖ (۵) شہنشاہ اکبر اعظم کی والدہ ماجدہ نواب حمیدہ بانو عرف حاجی بیگم ملکہ زمانی جب حج بیت اللہ اور زیارت عتباتِ عالیات کو تشریف لے گئیں تو واپسی میں ارضِ مقدس حجاز سے تحفتہً تین سو عرب ہمراہ لائیں۔ جن میں سے سو سادات کرام تھے اور سو شیوخ عظام تھے اور سو عام عرب تھے جو ان کے خدام تھے۔ ۹۶۹ھ/1561 میں ان کی رہایش کے لیے دہلی میں ایک عالیشان عمارت بنوائی جو اب تک موجود ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

---

[1] ضلع جمنا نگر۔

رہنا۔ درویشانہ زندگی بسر کرنا اور کشف و کرامت کا ہرگز ہرگز اظہار نہ کرنا۔ یہ نصیحت فرمائی اور رخصت ہوئے اور خشکی کا وہی راستہ اختیار کیا جس سے آئے تھے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے خدام بھی تھے۔ جب آپ (شمالی ہند میں) قصبۂ بنوڑ[1] پہنچے جو ہندوستان کے مشہور قصبے ساڈھورہ (ضلع انبالہ) کے پاس ہی ہے۔۔

(۹) ظہورِ کرامت آپ نے قصبۂ بنوڑ کی جامع مسجد میں قیام فرمایا۔ خود تو مسجد کی عمارت میں مقیم ہوئے اور سواری کے گھوڑے کو مسجد کے صحن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عرب سرائے اس کا نام رکھا اور دار العلوم بنایا جس میں یہ بزرگ درس دیتے تھے۔ اور ہمایوں بادشاہ کی روح کو ثواب ایصال کرتے تھے۔

یہ بزرگ مختلف قبائل۔ ثقاف۔ بالفقیہہ۔ باطہ۔ بابود۔ بالنور۔ جمل الیل اور باحسن (حسنی حسینی) سے تھے۔ میرے بزرگوں میں سے حسین بن محسن جیلانیؒ تشریف لائے تھے جو محی الدین ابو عبد اللہ ابن ابو صالح نصرؒ کی اولادِ پاک نہاد سے تھے۔ میرے بزرگ عرب سرائے ہی میں مقیم رہے یہاں تک کہ ۱۹۲۲ء / ۱۳۴۱ھ میں عرب سرائے کا انخلا عمل میں آیا تو شہر دہلی میں جا بسے البتہ بعض بعض انقلابی اثرات سے متاثر ہو کر کہیں کہیں جا بسے تھے۔ جن میں سے اکثر ۱۹۴۷ء / ۱۳۶۶ھ میں پاکستان چلے گئے۔ جو پشاور۔ اسلام آباد کراچی اور لاڑکانہ (سندھ) میں رہتے ہیں۔

میرے پر دادا بزرگوار سید علی بغدادیؒ بغداد شریف ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی تھی۔ کیونکہ آپ کے والد نے سفرِ حج کے دوران قیام بغداد میں اپنے ہی خاندان میں شادی کی تھی۔ حضرت سید علی بغدادیؒ نوجوانی میں دہلی آئے اور آخر دم تک یہیں رہے ۱۱۹۲ھ / 1787ء میں وفات پائی۔ مزارِ پُر انوار تربہ عرب سرائے میں ہے (نسب نامہ سادات حسنی حسینی عرب سرائے دہلی) شاہ ولی اللہؒ مولانا شاہ فخر الدین چشتیؒ مجدد چشتیہ۔ خواجہ میر دردؒ اور مرزا مظہر جانِ جاناںؒ آپ کے معاصرین میں سے تھے۔ شاہ عالم بادشاہ اور شہزادگانِ تیموریہ آپ کے بہت ہی عقیدتمند تھے۔ بادشاہ اور شہزادے جب حاضرِ خدمت ہوتے تو نذرانہ بھی دیا کرتے تھے۔

[1] بنوڑ۔ یہ قصبہ پنجاب میں راجپورہ کے پاس ہے جو ساڈھورہ سے تقریباً (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

میں بندھوا دیا۔ قضاء عند اللہ رات کو بارش ہوئی اور خوب ہوئی۔ آپ نے خدام سے کہا کہ گھوڑے کو بھی اندر لا باندھو۔ وہ اندر لے آئے۔ علی الصباح جب فجر کی نماز کو قصبے کے عام و خاص اور سادات عظام اور مشائخ کرام آئے اور انھوں نے گھوڑے کو مسجد کے اندر کھڑا دیکھا تو آپ سے کہا کہ اے بزرگوار! یہ آپ نے کیا کیا کہ گھوڑے کو مسجد کے اندر کھڑا کر رکھا ہے۔ اسے باہر نکلوائیے۔ حضرت تاج الدینؒ نے دریافت فرمایا کہ تم اندر کھڑے رہنے سے کیوں روکتے ہو اور کیوں باہر نکلوانا چاہتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ گھوڑا لید کرے گا۔ کوڑا کرے گا۔ پیشاب کرے گا تو مسجد گندی ہوگی ناپاک ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ گھوڑا اگر پانی پیئے گا اور گھاس دانہ کھائے گا تو لید بھی کرے گا۔ کوڑا بھی کرے گا اور پیشاب بھی کرے گا۔ لیکن جب نہ کچھ کھائے گا اور نہ پانی پیئے گا تو کچھ بھی نہ کرے گا۔ اور مسجد بھی غلیظ نہ ہوگی۔ انھوں نے کہا اگر ایسا ہے تو کچھ حرج نہیں ہے

خدا کی قدرت کہ چالیس دن تک متواتر بارش ہوتی رہی۔ حضرت والا اور آپ کے خادم اور گھوڑا سب ہی مسجد میں رہے۔ گھوڑے نے نہ تو کچھ کھایا نہ پیا۔ نہ پیشاب کیا نہ لید کی اور نہ کوڑا کرکٹ ہوا۔ اس سے قصبے میں رہنے والوں کو بہت ہی حیرت ہوئی (انھیں کچھ یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت والا حضرت پیران پیر دستگیر محبوب سبحانی قطب ربانیؒ ہی کی اولاد پاک نہاد سے ہیں تو) وہ آپ سے کشف و کرامت کے طالب ہوئے تاکہ انھیں طمانیت ہو جائے کہ آپ بلا شبہ حضرت پیران پیر دستگیرؒ ہی کی اولاد پاک نہاد سے ہیں تو خاطر خواہ حضرت سے فیضیاب ہوں)۔

حضرت والا نے ان کی بات چیت سے سمجھ لیا کہ یہ کیا چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ نے زبان الہام ترجمان سے فرمایا کہ میرا پوتا سلطان الاولیاء سید شاہ قمیص الاعظم قادریؒ جو سلطان شاہ حسین بادشاہ بنگالہ کا نواسہ ہے اور بنگالہ ہی میں اپنے والد سید ابوالحیات کے پاس ہے تو جب وہ کچھ دنوں بعد حکم الٰہی اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق یہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۶۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور انبالہ سے شمال میں اور ساڈھورہ سے مغرب میں ہے پرانی یادگار ایک جامع مسجد ہے۔ تعجب نہیں کہ یہ وہی مسجد ہو جس میں حضرت سید تاج الدین قادریؒ نے قیام فرمایا تھا۔ نئی آبادی بکثرت ہے

آئے گا۔ اور تم سب اس سے بیعت ہو گے تو تم پر وہ حقیقت واضح ہو جائے گی جس کے تم طالب ہو۔ یعنی یہ بات مان لوگے کہ میں حضرت پیران پیر دستگیر محبوبِ سبحانیؒ ہی کی اولاد سے ہوں اور اس بات کی مستند طریقے سے شہرت بھی ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ یہاں سے رخصت ہوئے اور بغداد شریف چلے گئے۔

(۱۰) شاہ محمد ذاکری القادریؒ یہ ذکر آچکا ہے کہ حضرت سید ابوالحیات کی شادی شاہ حسین سلطانِ بنگالہ کی دخترِ نیک اختر سے ہوئی تھی اور ان عفیفہ کے بطن سے تین صاحبزادے ہوئے تھے جو نیک سیرت تھے اور غیر معمولی وہبی اوصاف سے مالامال تھے۔ شاہ محمد ذاکری القادریؒ بڑے صاحبزادے تھے۔ ایک دن بچپن میں وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ ہر ایک بچے کے پاس ہاتھ میں رکھنے کی لکڑی تھی جسے وہ گھوڑا بنائے دوڑاتے پھر رہے تھے۔ شاہ محمد ذاکریؒ کے پاس ہاتھ میں رکھنے کی لکڑی تو تھی نہیں (جسے وہ گھوڑا بنا کے لڑکوں کے ساتھ کھیلتے) البتہ وہاں کچی عمارت کی گری پڑی ایک دیوار تھی۔ آپ اس دیوار پر چڑھ بیٹھے اور اسے دوڑانے لگے (دیوار لاٹھی کے گھوڑے کی طرح دوڑنے لگی۔ اور آپ بچوں کے ساتھ کھیلتے رہے) اس بات کا چرچا ہوا تو ان کے والد بزرگوار سید ابوالحیاتؒ کو بھی خبر ہوئی۔ وہ خفا ہوئے اور ناراضگی کا اظہار فرمایا[۱] (کیونکہ اظہارِ کرامت سے دادا بزرگوار نے منع فرمایا تھا)

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ شاہ محمد ذاکری کا عہدِ شباب تھا اور آپ شہر گوڑہ (بنگالہ) کے بازار میں کھڑے تھے کہ سلطان شاہ حسین کا مست ہاتھی اُدھر آنکلا۔ بازار میں ہٹو بچو کا شور مچا۔ سب ہٹ ہٹا گئے مگر شاہ محمد ذاکریؒ اپنی جگہ کھڑے ہی رہے۔ جب وہ ہاتھی آپ کے قریب پہنچا تو بھی کسی نے آپ سے کہا اے صاحبزادے یہاں سے ہٹ جاؤ مست ہاتھی آرہا ہے (کہیں کچل نہ دے) آپ نے دریافت کیا ہاتھی کس کا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاتھی بادشاہ کا ہے۔ آپ نے فرمایا میں بھی تو اللہ کا مست ہاتھی ہوں۔ بدطینت فیل بان نے بھی یہ بات سن لی

---

[۱] اس کے بعد کا جملہ ناتمام ہے۔

اور ہاتھی کو آپ کی طرف پیل دیا۔ ہاتھی جیسے ہی آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس کے دونوں دانت (جو باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں) کچھ اس طرح پکڑے کہ اس کی ساری مستی ہوا ہو گئی اس حیرت انگیز کرامت کا چرچا خوب ہوا۔ اس واقعہ کی اطلاع سلطان شاہ حسین کو بھی پہنچی اور آپ کے والد بزرگوار سید ابوالحیاتؒ کو بھی پہنچی۔ والد بزرگوار نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا۔[1] قضاعند اللہ جوانی ہی میں ان کا انتقال ہوگیا (اللہ پاک مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے)

(۱۱) شاہ عبدالعزیز سراج القادریؒ

شاہ عبدالعزیز قادریؒ بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور حضرت سید ابوالحیات قادریؒ کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ یہ اپنے حقیقی ماموں نصیب[2] شاہ کے ساتھ کسی لڑائی کی مہم میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے (اللہ پاک مغفرت فرمائے)

(۱۲) حضرت سید شاہ قمیصِ اعظم قادریؒ

حضرت سید شاہ قمیصِ قادریؒ بھائیوں میں منجھلے بھائی اور حضرت سید ابوالحیات قادریؒ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ان کے دم قدم سے روحانیت کا چراغ روشن ہوا اور خاندان کا بول بالا ہوا۔ آپ نے والدِ بزرگوار کے آغوش شفقت میں پرورش پائی علوم دینیہ میں دسترس حاصل کی اور والدِ بزرگوار کی نگاہِ شفقت سے منازلِ سلوک طے فرمائیں۔ آپ کو فطرتاً سلوک سے لگاؤ تھا۔ اس لیے شب و روز یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ کی

---

[1] لکھا ہے کہ درحقِ وے دعائے بد کرد جوان فوت شد یعنی باپ کی بد دعا سے وہ جوانی ہی میں مر گئے۔ یہ ذاتی تصور ہے اولیا، اللہ کسی کے لیے بد دعا نہیں کیا کرتے پھر ماں باپ جو اولاد کو برا بھلا کہتے یا کوستے ہیں اس سے مراد اصلاح ہوتی ہے موت اور تباہ حالی مقصود نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ تصور ناقابلِ قبول ہے۔

[2] نصیب شاہ عرف ہے اصل نام ہے نصرت حسین شاہ اور لقب ہے نصیر الدین شاہ اپنے باپ شاہ حسین کی وفات کے بعد ۹۲۵ھ/1518 میں تخت نشین ہوا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سید ہونے کے باوجود بہت تعیش پسند اور فسق و فجور میں بہت ہی مبتلا تھا۔ بابر بادشاہ نے جب ۹۳۳ھ/1526 میں دہلی اور آگرہ کو فتح کر لیا تو لودھی اُمرا بھاگ کر بنگالہ گئے۔ ابراہیم لودھی کی لڑکی بھی گئی تھی جس سے نصیب شاہ نے شادی کر لی تھی۔ بابر بادشاہ نے جونپور فتح کرنے کے بعد جب ۹۳۶ھ/1527 میں بنگالہ پر حملہ کرنا چاہا تو نصیب شاہ نے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

شادی آپ کے سگے ماموں سلطان نصیب شاہ کی دختر[1] واژگون اختر سے ہوئی تھی (جو عیش کی بندی تھی اور ناز و تنعم میں مستغرق رہنا چاہتی تھی)۔ اسے حضرت قمیص اعظمؒ کا ریاضت و عبادت میں مشغول رہنا ذرا بھی پسند نہ تھا۔

(۱۳) حادثہ جانستاں (کہتے ہیں کہ جب بُرا وقت آتا ہے تو عقل ماری جاتی ہے اور شعور کی آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں۔ یہی ہوا) وہ اکثر غصے سے برہم تنی ہوئی حضرت قمیصؒ کے پاس آتی اور جو منھ میں آتا کہتی اور بڑی ہی گستاخانہ گفتگو کرتی آپ تحمل سے کام لیتے اور دلجوئی فرماتے۔ اسے تو اپنے باپ کی دولت و ثروت پر ناز تھا۔ وہ کسی کی کیا سنتی۔ تاہم آپ دلداری فرماتے رہتے۔ شامتِ اعمال سے ایک دن وہ آئی نخوت و غرور کے نشے سے چور اور غصے میں مبہوت تھی۔ بڑی ہی گستاخی سے پیش آئی۔ جو منھ میں آیا کہہ گزری۔ یہ بھی کہا کہ مجھے تم سے کیا سروکار ہے تم جیسے کتنے ہی فقیر فقرا میرے باپ کے در پر پڑے رہتے ہیں۔ آپ نے ہر چند تحمل سے کام لیا اور یہی فرمایا بیٹھو بیٹھو! (جو کچھ کہنا سُننا ہے اطمینان سے کہو سنو) وہ اجل رسیدہ کس کی سننے والی تھی اور بھی آپے سے باہر ہوگئی اور بھی سخت کلامی کرنے لگی تو آپ نے اتنا فرمایا کہ (جب تم اتنی بے حیا و بے شرم ہو اور اتنی مغلوب الحال ہو تو جاؤ) ڈوب مرو۔ وہ بگڑتی بگڑاتی بُرا بھلا کہتی) چلی گئی۔ جا کر چھپر کھٹ پر بیٹھی ہی تھی کہ چھپر کھٹ سمیت زمین میں دھنس گئی۔ اس حادثے کے پیش آتے ہی محلسرائے میں کہرام مچ گیا۔ رونا پیٹنا پڑ گیا۔ گھر والے سب ہی خوف زدہ اور محو گریہ وزاری تھے۔ بادشاہ نصیب شاہ اپنے یاروں میں بیٹھا اپنی دلچسپیوں میں مشغول تھا۔ اسے یہ اطلاع ملی تو اٹھ کر محل سرائے میں آیا اور واقعہ کی پوری کیفیت معلوم کی۔ اس نے سب کو گریہ وزاری سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بابر بادشاہ کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ ۹۳۹ھ/1532 میں مرگیا۔ آخری دورِ حکومت میں خاصا انتشار رہا۔ آخرکار عہد محمود شاہ میں ۹۴۴ھ/1537 میں شیر شاہ نے بنگالہ پر قبضہ کرلیا۔ پھر اسے ہمایوں بادشاہ نے فتح کرلیا۔

[1] سید اظہار احمد گیلانی نے سلطان نصیب شاہ کی بیٹی کا نام ام عمارہ لکھا ہے (ماخذ کی نشاندہی نہیں کی ہے، محتاج ثبوت ہی ہے۔

اور شور وغوغا سے منع کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر نہیں مانے تو تمھیں بھی وہی کچھ پیش آئے گا جو شہزادی کو آیا ہے۔ اگرچہ وہ خود بھی بندۂ عیش وعشرت تھا لیکن تاڑ گیا تھا کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے عاجزی وانکساری ہی اگر کچھ آڑے آئے تو آئے ورنہ خیر نہیں ہے) اس نے محمد نعیم الدین نامی اپنے وزیر کو بلایا اور اس سے کہا کہ (مجرموں کی طرح) میرے ہاتھ باندھ کے مجھے حضرتِ والا (حضرت قمیص اعظم) کی خدمت میں لے چلو۔ وزیر نے ایسا ہی کیا کہ نصیب شاہ کے ہاتھ باندھ کے اسے حضرت والا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نصیب شاہ نے دست بستہ عرض کیا کہ اس نے یعنی میری اُس لڑکی نے اپنے کیے کی سزا بھگتی۔ اب عرض یہ ہے کہ میری ایک اور لڑکی ہے وہ نہایت نیک اور صالح ہے (میں اسے پیش کرتا ہوں) آپ اسے قبول فرما لیں وہ بڑے ادب سے وضو کی خدمت انجام دیتی رہے گی (تعجب نہیں کہ ایسے حالات ہوں کہ نصیب شاہ کو ملک کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ درپیش ہو اور اسی کے پیشِ نظر یہ تدبیر اختیار کی ہو کہ حضرت کی خوشنودی کے طفیل ملک ہاتھ سے نہ جائے۔ مگر اولیا، اللہ کے بیٹے کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ تعالیٰ (ترمذی) مومن کی فراست (دانائی ودوراندیشی) سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے (اللہ کی دی ہوئی روشنی سے) دیکھتا ہے حضرت قمیص اعظم نے (اس کے دل کی بات کو بھانپ لیا) اور فرمایا یہ ملک تو تمھارے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ نے کسی دوسرے کو عنایت فرما دیا ہے[1]۔

(اس جواب سے ممکن ہے کہ مزاجوں میں برہمی پیدا ہوئی ہو۔ اور حاشیہ نشینوں نے سلطان نصیب شاہ کو ورغلایا ہو کہ صاحبزادی کو تو مار چکے۔ اب سلطنت کے لیے فالِ بد مونھ سے نکال رہے ہیں۔ ضرور تدارک کرنا چاہیئے اور کیے کی سزا ملنی چاہیے نصیب شاہ

---

[1] تعجب نہیں یہ اسی زمانے کا واقعہ ہو جب بابر بادشاہ کے حملہ کی خبریں گرم تھیں اور نصیب شاہ نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی تھی۔ مگر اندیشہ لاحق ہی ہوگا۔ بہر حال اس سے کچھ دنوں بعد ملک ہاتھ سے نکل ہی گیا تھا۔

نے ڈرتے ڈرتے یہ کہا ہو کہ ان ہی سے پوچھ لو ان کے کیے کی کیا سزا دی جائے۔ آپ نے روشنیٔ ضمیری سے ان کے دلی منشا، کو سمجھ لیا ہو اور یہ فرمایا ہو)

(۱۴) حجرہ نشینی اور حبسِ بیجا سے رہائی

میرے لیے یہی کوٹھری تجویز کر دو کہ میں اس میں بیٹھا رہوں۔ اس کا دروازہ بھی اینٹ مٹی سے بند کر دو (تاکہ میں کہیں جا آ نہ سکوں اور کسی سے کچھ کہہ سُن نہ سکوں) البتہ ایک روشندان رکھ دو کہ اس سے وضو کے لیے پانی دیا لیا جا سکے۔ اتنا کر دو اور چلے جاؤ اور اپنے کاموں میں مشغول ہو جاؤ (یہ اللہ پر کامل بھروسے کی بات تھی کہ اسے زندہ رکھنا ہے تو رکھے ہی گا۔ غیب سے رزق دے گا یا توانائی بخشے گا اور چھٹکارہ بھی دلائے گا) آپ کتنے ہی دن اس کوٹھری میں بند رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بیس۲۰ سال رہے (مگر یہ مبالغہ ہے اور خلافِ واقعہ بھی ہے)

ایک دن آپ نے جدِ بزرگوار حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور چاروں[1] اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اور حضرت پیران پیر دستگیر محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی کو اسی

لے چاروں اصحاب سے مراد خلفاء راشدین ہیں۔ اور یہ چار بزرگ یہ ہیں (۱) حضرت ابو بکر صدیقؓ (۲) حضرت عمر فاروقؓ (۳) حضرت عثمان غنیؓ (۴) حضرت علیؓ۔

(۱) حضرت ابو بکر صدیقؓ بالغ و ذی شعور مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ سب سے پہلے واقعۂ معراج کی تصدیق فرمائی اور صدیق کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور غارِ ثور میں آپ کے ہمراہ رہے۔ بدری صحابہ کرام میں سے ہیں اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجیت میں دیا۔ صوفیائے کرام آپ کو صاحبِ مشاہدہ تسلیم کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد ۱۱ھ/632ء ہجری میں آپ ہی خلیفۂ اول منتخب ہوئے۔ آپ ہی کے عہدِ خلافت میں قرآنِ پاک کو کتابی صورت میں مرتب کیا گیا جو بعینہٖ مروج ہے۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ/634ء میں وفات پائی۔ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مزارِ پُر انوار ہے۔

(۲) حضرت عمرؓ ابتدائے حال میں اسلام کے سخت مخالف تھے۔ قبل (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کوٹھڑی میں دیکھا تو عرض کیا کہ مجھے بادشاہوں کی قید میں ڈال رکھا ہے۔ یہ سب بزرگ متوجہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے پیارے بیٹے تم فلاں مہینے کی فلاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرنے کے ارادے سے شمشیر بکف نکلے تھے کہ توفیقِ الٰہی سازگار ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ صفا کی پشت پر دار ارقمؓ میں مقیم تھے وہیں پہنچے اور ایمان لائے۔ آپ کے ایمان لانے سے اسلام کو اور مسلمانوں کو بہت ہی تقویت پہنچی۔ جب مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ملا تو آپ نے بھی ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ کے قریب مقام قبا میں سکونت اختیار کی۔ ہمت و حوصلہ اور تدبر میں آپ اپنی مثال تھے۔ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد آپ ہی منصبِ خلافت پر سرفراز ہوئے۔ فیروز نامی پارسی غلام نے نمازِ فجر کے دوران زخمی کیا اور پہلی محرم ۲۴ھ کو آپ اللہ کو پیارے ہوئے۔ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مدفون ہوئے۔

(۳) حضرت عثمان غنیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سگی پھوپھی حضرت بیضا کے نواسے اور حضرت رقیؓ کے صاحبزادے تھے۔ عفان آپ کے والد بزرگوار تھے جو قبیلہ بنی امیہ میں سے تھے۔ ابتدائی اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے حبش میں ہجرت کی تھی۔ آپ بہت دولت مند اور فیاض تھے۔ اسلام کے ابتدائی حالات میں بارہا کثیر رقومات سے امداد فرمائی۔ مدینۂ منورہ میں مسلمانوں کے واسطے بیر رومہ خرید کر وقف کیا تھا بڑے ہی نیک صفات اور شرمیلے تھے۔ خوبرو بھی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کو آپ کی زوجیت میں دیا تھا اسی لیے ذوالنورین آپ کا لقب ہوا۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے بعد آپ منصب خلافت پر سرفراز ہوئے آپ کے عہد میں دولت و فراغت خوب تھی۔ مسلمان عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ آپ کا برادرِ نسبتی (سالہ) مروان بن حکم آپ کا وزیر بن گیا تھا جو بہت ہی مفسد تھا۔ اسی کی شرارت سے آپ کی شہادت کا اندوہناک حادثہ پیش آیا تھا آپ ۱۲ ذی الحجہ ۳۵ھ کو شہید ہوئے اور جنت البقیع کے متصل دفن کیے گئے۔ آپ کے عہد کا اہم ترین کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قرآنِ کریم کی نئی نقلیں کرا کے مختلف ممالک کو بھیجیں تاکہ مسلمان قرآنِ کریم پر پورا عمل کر سکیں اس سے قرآنِ کریم کے محفوظ رہنے کی تدبیر بھی نکل آئی۔

(باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

تاریخ کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھو اور اسی روشن دان سے باہر نکل آؤ۔ ہم نے ملک ہندوستان کے قصبہ ساڈھورہ کی ولایت تمھیں دی جو دہلی کے آس پاس ہی ہے۔ آپ ان مکرم و محترم بزرگوں کی ہدایت کے مطابق مقررہ تاریخ کو روشن دان کے راستے اس کوٹھڑی سے نکل آئے۔ اور حبسِ بیجا سے نجات پائی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۴) حضرت علیؓ اسد اللہ الغالب۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آغوشِ شفقت میں پرورش پائی تھی آپ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کی یہ تاثیر تھی کہ آپ نے کبھی غیر اللہ کے آگے سر نہیں جھکایا اور اگرچہ آپ ناسمجھ بچے ہی تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ مردوں میں سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہی کو چاہتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو اپنے بستر پر آپ ہی کو سُلایا اور غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ ہی کو اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ طیبہ کا سردار مقرر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے حضرت موسیٰؑ کے لیے حضرت ہارونؑ تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت علیؓ کو دو نبیوں سے تشبیہ دی ہے۔ حضرت علیؓ عشرۂ مُبشّرہ میں سے بھی ہیں جنھیں جنت کی خوشخبری دی گئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے علم و فضل کے باب میں یہ بھی فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کے دروازے ہیں۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمایا کہ میں کل اسے عَلَم دوں گا جو اللہ و رسولؐ کو چاہتا ہے اور اللہ و رسولؐ اسے چاہتے ہیں اور اسی کے ہاتوں قلعۂ خیبر فتح ہوگا۔ دوسرے دن صبح سیدنا حضرت علیؓ کو عَلَم عنایت فرمایا اور آپ ہی کے ہاتوں قلعہ خیبر فتح ہوا۔ سیدنا حضرت علیؓ شجاعت میں بھی بے مثل تھے غزوات بدر و اُحد میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور غزوۂ احزاب میں بھی ابن عبدود کو تلوار کے گھاٹ اتارا جو ہزار بہادروں کی برابر مانا جاتا تھا اور کسی کی ہمت نہ تھی کہ اس کے مقابلے میں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو آپ کی زوجیت میں دیا جنھیں آپ اپنے گوشت کا ایک ٹکڑا فرماتے تھے۔ حضرت علیؓ پنجتن پاک میں سے بھی تھے آپ نے پورا قرآنِ پاک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں حفظ کر لیا تھا آپ یہ بھی فرماتے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۸ پر)

(۱۵) مجاہداتِ شاقہ

مدتوں تنِ تنہا کوٹھڑی میں بند رہنا اور اللہ سے لو لگائے رہنا یہ خود ہی بہت بڑا مجاہدہ تھا۔ جس کی بدولت اوصاف باطنی سے فیضیاب ہونا حیرت انگیز نہیں۔ مجاہدہ طبیعتِ ثانیہ بن چکا تھا جو حبسِ بیجا سے چھٹکارہ پانے کے بعد بھی بشدت تمام کارفرما رہا۔ لہٰذا آپ نے دریا میں کھڑے رہ کر عبادت اور اذکار و اوراد میں مشغول رہنا اختیار کیا اور مدتوں ملکِ بنگالہ کے دریاؤں میں محوِ عبادت و ریاضت رہے۔ چرمی لباس بنوالیا تھا وہ پہنتے مگر جب دریا میں اترتے تو اسے اتار دیتے اور تھوڑی تھوڑی دیر پانی میں جا کھڑے ہوتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ شب و روز اسی طرح مشغول رہتے۔ نماز کا وقت ہوتا تو نکل آتے چرمی (چمڑے کا) لباس پہن لیتے اور جو بھی اشخاص اور عقیدت مند دریا کنارے ہوتے ان کے ساتھ نماز باجماعت پڑھتے۔ نماز سے فارغ ہوتے تو چرمی لباس اتار دیتے دریا میں اترتے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے۔ اس دوران آپ ہفت سیفی کا عمل پڑھتے۔ سیف اللہ۔ عین اللہ۔ سہام اللہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مجھ کو میں یہ خوب جانتا ہوں کہ آیاتِ کلام اللہ کب اور کہاں نازل ہوئی ہیں۔ علمِ نحو کے موجد بھی آپ ہی ہیں۔ آپ کے متعلق یہ بھی ارشاد فرمایا جن کا آقا و مولیٰ میں ہوں علی بھی ان کے آقا مولیٰ ہیں۔ سیدنا حضرت علیؓ کے فضائل میں جتنی کثرت سے حدیثیں وارد ہیں اتنی کسی اور کیلئے نہیں ہیں آپ حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین کے بعد منصبِ خلافت پر فائز ہوئے۔ مدتِ خلافت میں باہمی جنگ و پیکار سے بھی دوچار رہنا پڑا جو امیرِ شام کی اجتہادی غلطی کی بدولت ظہور پذیر ہوئی تھیں جن سے اسلامی اتحاد کو عظیم ترین نقصان پہنچا اور مسلمانوں میں اختلاف جڑ پکڑ گیا۔ حضرت علیؓ نے ادب واحتیاط کے پیشِ نظر مدینہ منورہ سے کوفہ کو مرکزِ خلافت قرار دیا تھا۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے نمازِ فجر کے دوران حملہ کیا۔ تلوار آپ کی پیشانی پر لگی اور اترتی چلی گئی۔ زخم شدید تھا اسی سے ۲۱ رمضان المبارک ۳۵ھ (655ء) کو واصلِ حق ہوئے۔ روحانی سلاسل اکثر و بیشتر آپ ہی سے فیضیاب ہیں۔ رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ۔

قدرت اللہ۔ حزب اللہ۔ برہان اللہ۔ سہام اکبر اور حزر یمانی[1] بلکہ جملہ احراز پڑھتے تھے۔ (ان میں سے بعض دعاؤں کی تاثیر بہت ہی گرم ہے) جہاں کھڑے ہو کر آپ یہ دعائیں پڑھتے تھے وہاں کا پانی کوس کوس بھر تک بہت ہی گرم ہو جاتا تھا۔ وضو کے لیے نکالتے تو ایسا گرم ہوتا جیسے حمام کا پانی گرم ہوتا ہے۔ نکالنے کے بعد کچھ دیر رکھتے تو وہ ٹھنڈا ہوتا اور اس سے وضو کرتے اور نماز پڑھتے۔

اس دوران کچھ واقفِ حال بندۂ بے دام بن گئے تھے۔ جو دریا کنارے موجود رہتے

---

[1] حرز حفاظت کو کہتے ہیں۔ بزرگوں نے قرآن کریم سے ایسی آیات کو منتخب کر کے جو ہر طرح کی حفاظت سے متعلق ہیں دعائیں مرتب کی ہیں جو مشاہدے میں سریع الاثر ثابت ہوئی ہیں۔ تاثیر کے سریع الاثر ہونے کے لیے کچھ قواعد بھی مقرر کیے ہیں۔ جب ان قواعد کے مطابق انھیں پڑھ لیا جاتا ہے تو بیحد کارگر ثابت ہوتی ہیں۔ قواعد کے مطابق پڑھنے کو زکوٰۃ دینا کہتے ہیں۔ پڑھنے کے لیے وقت بھی مقرر ہوتا ہے تعداد بھی مقرر ہوتی ہے اور پڑھنے کی مدت بھی۔ جب ایک بار اس طرح پڑھ لی جاتی ہے تو پھر بار بار اس طرح پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی پھر کاربرآری کے لیے ایک بار پڑھنا ہی کافی ہوتا اور عامل کے بتانے پر عمل کرنے سے مدعا پورا ہو جاتا ہے۔ زمانۂ قدیم میں ان ادعیہ کا رواج عام تھا حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ بھی روزانہ حزر کافی اور حزر یمانی پڑھا کرتے تھے (سیر الاولیاء) اسی طرح کی ایک مشہور دعا حزب البحر بھی ہے۔ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اس کے عامل تھے۔ انھوں نے پوری صحت کے ساتھ اس کو چھپوایا بھی تھا جو اب بھی ان کے کتب خانے سے دستیاب ہوتی ہے۔ حضرت پیر سید عبدالباسط شاہ صاحب تمیمی القادری سجادہ نشین درگاہ تمیصیہ (ساڈھورہ ضلع انبالہ) بھی اس کے عامل ہیں اور اس کی برکتوں سے فیضیاب ہیں۔ یہ سب دعائیں میرے والد بزرگوار حضرت سید محمد ابراہیم حسین حسنی حسینیؒ کے قلمی ذخیرہ میں تھیں اور نہایت خوشخط لکھی ہوئی تھیں اور ایسی تھیں کہ دیکھنے سے آنکھیں روشن ہو جاتی تھیں مگر اب انھیں دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ ہوا یہ کہ ۱۹۴۷ء ۱۳۶۶ھ کے ہنگامۂ پُر آشوب میں میرا گھر بار لٹا تو یہ نادر سرمایہ بھی خرد برد ہو گیا بقول فردوسی طوسی سے نسب نامۂ دولتِ کیقباد ورق بر ورق ہر سوئے بردہ باد (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

اور آپ سے جُدا ہونا گوارا ہی نہ کرتے تھے ان ہی کے ساتھ آپ جماعت سے نماز ادا فرماتے تھے۔ جب انھیں بھوک لگتی تو آپ دریا کی کسی سمت اشارہ کرتے یہ وہاں جاتے تو ایک ہاتھ نکلتا ہاتھ میں پھلوں کی یا میوے کی قسم سے کچھ دانے ہوتے جو عموماً سات ہوتے تھے جنھیں کھالینے سے سیری ہوجاتی تھی اور یہ ایسے ہوتے تھے کہ کسی نے دیکھے بھی نہیں تھے (تعجب نہیں کہ ثمرِ بہشتی ہوں) آدمیوں کی تعداد کے مطابق ہاتھ نکلتا اور وہ ثمرِ بہشتی انھیں دیدیتا۔

بہرحال آپ مدتِ معینہ تک ان معمولات میں مشغول رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ چالیس[۱] برس تک دریائی عمل میں مشغول رہے۔ بعض کہتے ہیں بارہ برس تک مشغول رہے لیکن یہ دونوں مدتیں مبالغہ آمیز اور معقولیت سے بعید ہیں سچ ہے ؎ چوں نہ دید ند حقیقت رہِ افسانہ زدند۔ مقدمۂ کتاب ہذا میں اس مسئلے کو کو سلجھا دیا ہے) الغرض عملِ دریائی سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے حج بیت اللہ کا عزم فرمایا۔

(۱۶) زیارتِ حرمین شریفین دریائی ریاضت سے فارغ ہوکر آپ حجِ بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ سات حج کیے حج سے فارغ ہوکر مدینۂ منورہ تشریف لے جاتے۔ فداہ امی وابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضۂ منورہ کی زیارت کی سعادت حاصل کرتے۔ آخر میں مدینہ منورہ سے عروس البلاد بغداد تشریف لائے جو آپ کا آبائی وطن تھا۔ بغداد[۱] میں اپنے جدِ بزرگوار حضرت پیران پیر دستگیر محبوب سبحانی قطبِ ربانی سید محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی زیارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خاندانِ علم و فضل کا حقیقی نسب نامہ ان کا علمی ذخیرہ ہی ہوا کرتا ہے۔ میں کیا ہوں ؎ بدنام کنندۂ نکونامِ چند ـــ اور کچھ بھی نہیں۔

[۱] بغداد عراق کا مشہور شہر اور پایۂ تخت ہے سب سے پہلے نوشیروانِ عادل نے اس سرزمین پر باغ بنوایا تھا۔ جہاں وہ عدل و انصاف کیا کرتا تھا۔ اس لیے اس کا نام باغ داد مشہور ہوگیا تھا پھر بغداد کہنے لگے۔ باغ اجڑا اجڑا گیا تھا۔ پھر اسی سرزمین پر ۱۴۶ھ/763 میں پہلے عباسی خلیفہ منصور بن سفاح نے شہر بسایا اور پایۂ تخت بنایا۔ بغداد نے ہر اعتبار سے اتنی ترقی کی کہ عروس البلاد مشہور ہوا۔ اس کے گرد و نواح میں بکثرت اولیاء اللہ اور بعض انبیاء آسودۂ خوابِ آخرت ہیں۔

کی سعادت حاصل کی۔ چلہ بھی کیا یعنی چالیس دن لوازم چلہ کے ساتھ عبادت میں مشغول رہے بعض کہتے ہیں چند روز قیام پذیر رہے بعض کہتے ہیں کہ چھ مہینے مقیم رہے[1]۔ پھر آپ کو ہندوستان جانے کا حکم ملا اور اگرچہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ بغداد ہی میں رہیں آپ نے جدِ بزرگوار کی بارگاہ میں یہ بھی عرض کیا کہ سات پشتیں مجھ ناچیز کی یہیں گزری ہیں اور وہ یہیں آسودۂ خوابِ آخرت ہیں۔ میں بھی اسی سرزمین میں سپردِ خاک کیا جاؤں تو میرے لیے عین سعادت ہے۔ ارشاد ہوا دیکھو! تم جہاں کہیں بھی رہو گے بغداد ہی میں رہو گے (ظاہری فصل مانع نہ ہوگا قرب باطنی حاصل ہی رہے گا) پھر آپ کو پانی بھرا ایک لوٹا دیا گیا اور فرمایا جتنا بھی پانی خرچ کرنا ہو اسی میں سے خرچ کرتے رہنا۔ تمھیں قصبۂ ساڈھورہ میں قیام کرنا ہے وہی تمہارا مسکن ہے اور جہاں اس لوٹے کا پانی ختم ہو جائے وہی مقام قصبہ ساڈھورہ ہے۔

حضرت شاہ قمیص اعظمؒ بغداد شریف سے ہندوستان آئے تو کچھ دنوں ہندوستان کے

---

[1] سید اظہار احمد گیلانی نے "تذکرۂ قمیص الاعظم" (ص ۱۴۴) میں لکھا ہے کہ "مکہ معظمہ تشریف لے گئے مدینہ منورہ اور بیت المقدس کی زیارت کے بعد بالآخر اپنے جدِ امجد حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی کے مدفن شہرِ بغداد میں سات سال مقیم رہے۔ اس دوران آپ نے سات حج ادا کیے"

ع بڑھا بھی دیتے ہیں زیبِ داستاں کے لیے۔ گیلانی صاحب کا یہ بیان بھی محتاجِ ثبوت ہے خوارقات کے مصنف نے تو زیادہ سے زیادہ چھ مہینے قیامِ بغداد کی مدت روایت کی ہے یہ نہیں لکھا کہ شہرِ بغداد میں سات سال مقیم رہے۔ مگر موصوف نے قیام کی مدت سات برس لکھی ہے جو محتاجِ ثبوت ہے بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ اس دوران میں آپ نے سات حج کیے گویا کہ قیام بغداد ہی میں رہا ساتھ میں بیت المقدس کا اضافہ بھی فرما دیا ہے۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ اس سفر کی کل مدت کتنی تھی۔ تاریخی اعتبار سے یہ کس طرح صحیح ثابت ہوتا ہے۔ تاریخی زندگی کے باب میں قدم قدم پر تاریخی رعایت پیشِ نظر رکھنی ہوتی ہے تاریخی زندگی کو افسانہ بنا دینا مفید نہیں سخت مضر ہے۔ غالباً ایسی ہی خامیوں کے پیشِ نظر جناب سید نفیس الحسینی صاحب نے اس کتابچہ کو عقیدت و خلوص کا حسین مرقع تو قرار دیا ہے مگر تحقیق کا شاہکار یا تحقیق کا مرقع قرار نہیں دیا۔ لفظ مدفن بھی نازیبا اور خلافِ شان ہے۔ روضۂ مبارک یا مزارِ پُرانوار ہونا چاہیے تھا۔

دکنی اور پوربی علاقوں کی سیر و سیاحت فرمائی۔ جو جگہ پسند آتی وہاں قیام فرماتے اور چلہ کرتے غرض کہ سفر و حضر میں برابر مشغول عبادت و ریاضت رہتے۔ اسی طرح چلتے پھرتے آپ اجمیر[1] شریف پہنچے اور ہند الولی نائب رسول اللہ فی الہند خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین[2] حسن سنجری (س ن ج ری) چشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے مزار پُر انوار کی زیارت سے

---

[1] اجمیر شریف علاقہ راجستان کا قدیم و مشہور شہر ہے۔ جس کے گرداگرد کوہستانی سلسلہ ہے۔ ہندوستان کے نامی گرامی راجہ پرتھوی راج (رائے پتھورا) کی راجدھانی تھا۔ پرتھوی راج کے قلعہ کی فصیل اب تک موجود ہے۔ جو پہاڑی چوٹی پر ہے۔ عمارت تو رہی نہیں ہے لیکن خوشنما تالاب موجود ہیں۔ جھیل آنا ساگر کا منظر بھی بہت دلکشا ہے جو پہاڑوں کے درمیان ہے۔ زمانہ قدیم میں انا ساگر کے ارد گرد پشکر میں جو قریب ہی چند کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے بہت سے بڑی عظمت والے مندر تھے اور بڑے باکمال جوگی اور سنیاسی بھی رہتے تھے ان کی کشش سے شب و روز یاتریوں کا تانتا بندھا رہتا تھا جس سے اجمیر شریف کی شہرت و رونق دوبالا تھی اور اجمیر کی حیثیت مرکزی تجارتی منڈی کی تھی جہاں ہر نادر چیز دستیاب تھی۔ اجمیر علمی و تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے بھی بلند پایہ تھا۔ اب بھی مرکزی مقام ہے۔ یہاں کی یونیورسٹی میں تصوف کا بھی شعبہ ہے۔

[2] خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری (س ن ج ری) چشتی اجمیری قدس اللہ سرہٗ العزیز مقام سنجر (س ن ج ر) علاقۂ سیستان (سجستان) میں پیدا ہوئے جو ایران کا جنوبی کوہستانی علاقہ ہے۔ اسی کو ملک نیمروز کہتے ہیں۔ ایران کا نامی پہلوان رستم بھی اسی علاقہ کا تھا۔ خواجۂ بزرگ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے نو عمری میں ابراہیم قندوز قلندر کی توجہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ جملہ اثاثۂ پدری خیرات کر کے تارک الدنیا ہو گئے اور سنجر کی سکونت ترک کر کے سمرقند، بخارا اور قندھار چلے گئے اور علومِ ظاہری و علمِ دینیہ کی تکمیل فرمائی۔ پھر عراق و عرب کی سیاحت اختیار کی اور ہر مقام کے اولیاء اللہ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ نیشاپور پہنچے تو حضرت عثمان ہارونیؒ سے نیاز حاصل کیا۔ ان کی باکمال عالمانہ اور درویشانہ شخصیت سے بہت ہی متاثر ہوئے حتیٰ کہ حضرت عثمان ہارونیؒ سے بیعت ہو گئے۔ پھر ان کے ہمراہ پاپیادہ کئی حج کیے اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (باقی صفحہ آئندہ پر)

شرف اندوز ہوئے اور پہاڑ کے نزدیک چلہ کیا۔ آپ کو حضرت خواجۂ بزرگ قدس اللہ سرہٗ العزیز کی طرف سے سبز دستار پیش کی گئی تو آپ نے معذرت فرمائی اور فرمایا کہ کلاہ قادری سر پر رکھتا ہوں اگر کلاہِ قادری پر کوئی اور دستار باندھوں تو یہ امر خلافِ ادب ہوگا اور میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی حاضری سے سعادت اندوز ہوئے۔ خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہندوستان میں اشاعت دین کا کام کرنے کے لیے ایما فرماتے ہیں۔ بیدار ہوئے۔ پیر و مرشد کی جناب میں عرض کیا۔ رخصت کی اجازت لی اور ہندوستان کے لیے روانہ ہوگئے۔ بغداد پہنچے تو وہاں کے اولیاء سے ملاقاتیں کیں اور وہاں کی غیر ملکی زبانوں کی درسگاہ سے استفادہ کیا۔ ہندوستانی زبانوں سے آگاہی حاصل کی۔ غزنی پہنچے تو غزنی کی غیر ملکی زبانوں کی درسگاہ سے مزید استفادہ کیا۔ غزنی سے ملتان پہنچے۔ ملتان اس عہد میں کلیدی مقام تھا۔ خشکی کی راہ سے ایران و عراق جانے آنے والے قافلے سب یہیں سے گزرتے تھے یہاں بھی ہندی السنہ میں مہارت حاصل کرنے کی سہولتیں تھیں۔ آپ نے قیام ملتان میں بھی ہندی بول چال میں مہارت حاصل کی (آئینہ ملتان) ملتان سے لاہور تشریف فرما ہوئے۔ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش قدس اللہ سرہٗ العزیز کے روضے پر حاضر ہوئے اور روحانی استفادہ فرمایا لاہور سے دہلی تشریف لائے اور چند روزہ قیام کے بعد اجمیر تشریف لے گئے۔

اجمیر شریف آنا ساگر جھیل کے پہاڑ کی چوٹی سدا بہار کی گپھا میں قیام فرمایا۔ راجہ پرتھوی راج آپ کے قیام سے خوش نہ تھا۔ جوگیوں اور سنیاسیوں کو آپ کے خلاف ابھارا وہ آپ کے مقابلے کو آئے اور جادو جنتر کے خوب ہی کرتب دکھائے لیکن ناکام ہی رہے اور ان میں سے بعض بعض نے اسلام بھی قبول کر لیا۔ انجام کار شاہ محمد غوری نے ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء میں تھانیسر کے میدان میں پرتھوی راج سے جنگ کی جس میں پرتھوی راج پکڑلیا گیا اور اجمیر محمد غوری نے فتح کر لیا اور پرتھوی راج کے بیٹے گووند راج کو اجمیر کا حاکم مقرر کر دیا۔ حضرت خواجۂ بزرگ کا قیام پہلے ہی سے تھا بعد میں بھی رہا اور تبلیغ دین اور سلوک و روحانیت کی خدمات کو کمال خوبی سے انجام دیتے رہے۔ ۶ رجب ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء یا ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء (یوم دوشنبہ) کو انتقال ہوا۔ مزار پُر انوار اجمیر شریف میں ہے اور مرجع خلائق ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

بے ادب ٹھیروں گا۔ میں غیرتِ قادری سے ڈرتا ہوں اس لیے مجھے معاف رکھا جائے۔

حضرت قمیصِ اعظمؒ اجمیر شریف سے رخصت ہوئے پورب (مشرق) کی طرف چلے۔ مشرقی ممالک کی سیاحت فرماتے ہوئے سفر کے دوران ساڈھورہ پہنچنے کا عزم تھا مگر راستہ معلوم نہیں تھا۔ القائے ربّی ہوا کہ دہلی سے پہاڑ کی جانب (شمالِ مشرق کی طرف) چلو۔ پہاڑ کے دامن ہی میں ساڈھورہ ہے۔ جہاں اس آفتابے (اس لوٹے) کا پانی ختم ہو جائے (جو بارگاہِ غوثِ اعظمؒ سے ملا ہے) وہی مقام قصبۂ ساڈھورہ ہے۔ وہی تمہارا مسکن ہے۔ وہیں تمھیں رہنا ہے۔ لہٰذا جب آپ اس ہدایت کے مطابق دہلی کے راستے سے چلے تو گنگوہ (ضلع سہارنپور) پہنچے۔

(۱۷) گنگوہ پہنچنا آپ گنگوہ پہنچے تو گویا حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے درِ دولت پر پہنچ گئے وہاں کی فضا آپ کو خوش گوار معلوم ہوئی۔ وہاں کے رہنے والے بھی بھلے مانس اور ملنسار معلوم ہوئے اور یہ محسوس فرمایا کہ یہاں ایک اچھا اور نیک صفات شخص بھی ہے غرض کہ طبعی مناسبت و اتحاد نے اس طرف طبیعت کو مائل کیا کہ فی الحال یہیں قیام کیا جائے کہتے ہیں کہ آپ نے قطب العالم حضرت شاہ عبدالقدوس[1] گنگوہیؒ کو بلوایا بھی تھا۔ لیکن جب حضرت شاہ عبدالقدوسؒ کو یہ اطلاع ملی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شب و روز زائرین کی آمد و رفت کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ یزار و یتبرک بہ۔

سلطان التارکین صوفی حمیدالدین ناگوری سوالیؒ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے اُن کے مرشد خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین حسن سنجریؒ کو تین زبانوں میں کمال مہارت عنایت فرمائی تھی۔ وہ عربی فارسی اور ہندوی تینوں زبانیں خوب جانتے تھے اور ان میں شعر بھی کہتے تھے۔ یہ ہندوی شعر آپ ہی کا ہے۔

اد کھند بھجن دھن گئی ددھی برہیں اد کھند دیک بجا نئی بار بھیجی تیں

(سرور الصدور ورق ۹۲ کتب خانہ قومی عجائب گھر کراچی پاکستان)

[1] شاہ عبدالقدوسؒ سلسلۂ صابریہ میں شیخ محمدؒ سے بیعت تھے جو شاہ عبدالحق ردولویؒ کے پوتے تھے۔ شاہ عبدالقدوسؒ جامع الصفات بزرگ تھے۔ علم و فضل میں بھی بلند درجہ رکھتے تھے۔ ان کا کلام سوز و گداز سے مالا مال؛ درکیف پر درہے شاہ عبدالقدوسؒ نے ۲۳ جمادی الآخر ۹۴۵ھ / 1537ء (باقی صفحہ آئندہ پر)

کہ حضرت قمیصِ اعظمؒ کا عزم یہیں قیام فرمانے کا ہے تو آپ نے (روحانی قدروں کے پیشِ نظر اس عزم کو مناسب نہیں سمجھا اور خود کچھ کہنا بھی مناسب نہیں جانا بلکہ) شاہ العالمین حضرت شاہ عبدالرزاقؒ[لہ] قادری جھنجانوی کو خط بھیجا اور یہ لکھا کہ سلسلۂ عالیہ قادریہ کا شیر بچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں پردہ فرمایا۔ مزار پر انوار گنگوہ (ضلع سہارنپور) میں ہے اور الحاج حکیم قریش احمد صاحب سجادہ نشین ہیں۔ ڈیرہ دون میں مطب کرتے ہیں۔ منتخب روزگار شخصیت کے مالک ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ وفات سے تین سال پہلے سے عالم سکوت و محویت میں تھے کسی سے بات چیت بھی نہیں کرتے تھے نیز اس مقولے سے جو آپ سے منسوب ہے بتایا گیا ہے اور حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجانویؒ کو مدعو کرنے سے یہ گمان ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے نہ ہو بلکہ ان کے کسی صاحبزادے یا کسی جانشین سے ہو۔ اور چونکہ حضرت شاہ عبدالقدوسؒ کا نام نامی زبان زدِ خلائق ہے اس لیے شہرتِ عامہ کی بنا پر راوی کو آپ ہی کا نام یاد رہا ہو کہ واقعہ بھی آپ ہی کے ہاں کا ہے۔ اور اس طرح یہ روایت آپ سے منسوب ہو گئی ہو۔ اگر یہ صورت حال واقعتاً صحیح ہے تو پھر واقعہ کی ترتیب بھی مناسب ہو جائے گی۔ نیز یہ جملہ جو حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے منسوب بتایا گیا ہے ذوقِ سلیم پر گراں گزرتا ہے کیونکہ یہ نہ تو حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے شایانِ شان ہے نہ اخلاقِ درویشانہ ہی کا ترجمان ہے۔ حضرت پیران پیر دستگیر قدس اللہ سرہ العزیز کے تعلق سے اور اخلاقِ درویشانہ کے تعلق سے مہمان نوازی کا سلوک روا رکھنا چاہیئے تھا جس کی ان سے زیادہ سے زیادہ توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ جملہ تو کسی تنگ دل بدخصلت ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے۔ بہرحال کتاب خوارقات کے بیان سے بھی حضرت قمیصِ اعظمؒ کی ملاقات قطب دوراں حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ سے ثابت نہیں ہے۔ سید اظہار احمد گیلانی کا یہ لکھنا کہ "آپ کی یعنی حضرت قمیصِ اعظم کی ملاقات بقول ملا پیر محمد لاہوری حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ سے بھی ہوئی (ص ۱۵) سراسر خلافِ تحقیق اور محتاجِ ثبوت ہے۔ ذرا سے کتابچہ میں متعدد لغزشیں تعجب خیز ہیں۔ دراں حالیکہ ایم۔ اے ہیں۔

لہ شاہ عبدالرزاق قادری جھنجانوی رحمتہ اللہ علیہ بڑے ہی ذاکر و شاغل بزرگ تھے اور بڑے ہی صاحب کشف و کرامت تھے۔ کشفِ ارواح میں کمال حاصل تھا۔ ۹۵۰ھ / ۱۵۴۳ء میں وفات پائی۔ مزار پر انوار جھنجانہ (ضلع مظفر نگر) میں ہے اور مرجع خلائق ہے۔

ہمارے دروازے[1] پر آبیٹھا ہے۔ خدا کے لیے آپ آئیں اور اسے یہاں سے ساڈھورہ[2] بھیج دیں (غالباً یہ حفظِ مراتب کی بات تھی کہ خود نہیں کہا بلکہ حضرت شاہ عبدالرزاق قادریؒ کو یاد فرمایا کہ وہ خانوادۂ قادریہ کے جلیل القدر بزرگ تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالقدوسؒ اس زمانے میں علیل ہوں کیونکہ تاریخی قدروں کے پیشِ نظر قریب ترزمانے ہی میں آپ نے وفات پائی یا واصلِ حق ہو چکے ہوں) جب حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا خط جھنجانہ (ضلع مظفر نگر) شاہ العالمین حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجانویؒ کو پہنچا تو پڑھتے ہی آپ سوار ہوئے اور گنگوہ شریف پہنچے اور سلطان الاولیا، حضرت شاہ قمیصِ اعظمؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی۔ حضرت جھنجانویؒ نے دیکھتے ہی یہ سمجھ لیا کہ یہ قادری موتیوں میں سے بیش بہا موتی[3] ہے۔

---

[1] دروازے سے مراد نزدیک تر ہے۔ گھر کا یا حویلی کا دروازہ مراد نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ بستی سے باہر ہی مقیم ہیں لیکن سرِراہ ایسی جگہ مقیم ہیں کہ بستی میں آنے جانے والے ان کے پاس ہی سے گزرتے ہیں۔ جو متاثر بھی ہوتے ہوں گے اسی نزدیکی کو دروازے سے تعبیر کیا ہے۔

[2] ایسا لگتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے (اگر بقیدِ حیات تھے تو انھوں نے) یا حضرت شاہ عبدالرزاق قادریؒ نے کشف سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ حضرت شاہ قمیصِ اعظمؒ کو ساڈھورہ میں قیام کرنا ہے اور اسی علاقے کی ولایت پر مامور ہیں اسی لیے دونوں بزرگوں کی مبارک زبان پر ساڈھورہ کا نام آیا

[3] حضرت شاہ عبدالرزاق قادری جھنجانویؒ جو اس قدر ادب و احترام سے پیش آئے کہ ہاتھ باندھ کر ادب سے حضرت قمیصِ اعظمؒ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ادب سے یہ عرض کیا کہ ساڈھورہ پاس ہی ہے تو اس کی وجوہ ظاہر ہیں کہ وہ خود کشفِ ارواح میں کامل دسترس رکھتے تھے حضرت قمیصِ اعظمؒ کے متعلق جملہ معلومات حضرت پیرانِ پیر دستگیر قطبِ ربّانی محبوبِ سبحانی قدس اللہ سرّہٗ العزیز سے کر لی ہوں گی کہ آپ اولادِ پاک نہاد سے بھی ہیں۔ علاقہ ساڈھورہ کی ولایت پر مامور بھی ہیں اور نوجوان سال ہونے کے باوجود سلوک کے ایسے بلند تر مقام پر فائز ہیں کہ کوئی دوسرا ان کا ہمعصر اس مرتبے پر فائز نہیں ہے۔ اسی لیے تو انھوں نے یہ فرمایا تھا کہ یہ قادری موتیوں میں سے بیش بہا موتی ہے۔

ہاتھ باندھ کر حضرت شاہ قمیصِ اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کھڑے رہے اور ادب سے عرض کیا کہ قصبہ ساڈھورہ قریب ہی ہے۔ حضرت شاہ قمیص اعظمؒ نے فرمایا میں بھی جانتا ہوں کہ قصبۂ ساڈھورہ نزدیک ہی ہے۔ اچھا تو میں نے اس قصبۂ گنگوہ کو شاہ عبدالرزاقؒ کے ذریعے شاہ عبدالقدوسؒ کو بخشا۔ پھر آپ نے ساڈھورہ کی راہ لی۔

(۱۸) سرائے افغان

آپ سرائے افغان[1] پہنچے جو قصبۂ ساڈھورہ کے پاس ہی ہے آپ پلکھن کے سوکھے درخت کے نیچے بیٹھے اور بیٹھتے ہی اس درخت سے کہا کہ اے درخت! فقیروں کے بیٹھنے کے لیے سایہ کر دے تو پلک جھپکاتے ہی وہ درخت ہرا بھرا سایہ دار ہو گیا جو مدت سے سوکھا کھڑا تھا۔ وہیں آپ نے چاہا کہ وضو کی تجدید فرمائیں تازہ وضو کریں۔ آپ نے شیخ ضمیر خادم سے کہا کہ وضو کے لیے پانی لاؤ۔ شیخ ضمیر خادم جو واصلانِ حق ہی میں سے تھا اس نے عرض کیا کہ لوٹے میں پانی نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ ساڈھورہ یہی جگہ ہے (یہ واقعہ ۹۵۲ھ / 1545 کا ہو سکتا ہے)۔

اس پلکھن کے پاس ہی ایک کنواں تھا جو مدتِ مدید سے سوکھا پڑا تھا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ جاؤ اور کنویں کو میری طرف سے دعا کہو اور اس سے کہو کہ وضو کے لیے پانی درکار ہے۔ وہ کنواں جو مدتوں سے سوکھا پڑا تھا۔ یہ بات سنتے ہی کناروں کناروں تک پانی سے بھرپور ہو گیا۔ خادم نے لوٹے میں پانی بھرا اور لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کرامت کا مزید ظہور یہ ہوا کہ خادم کے پیچھے پانی اُبل پڑا۔ اور جوش مارتا ہوا ساڈھورہ کی طرف بہنے لگا۔ حضرت والا کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو میں نہیں چاہتا تھا کہ پانی بہتا ہوا یہاں تک آ جائے) اچھا جا اپنی جگہ رہ۔ پانی واپس چلا گیا اور کنویں میں جا ٹھیرا۔ آپ نے وضو کیا اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔

آپ کی ان دونوں کرامتوں کی قصبۂ ساڈھورہ میں بڑی شہرت ہوئی۔ حتیٰ کہ قصبۂ ساڈھورہ میں رہنے والے ساداتِ کرام اور مشائخ ذی احترام اور دوسرے باشندے

---

[1] ہنوز سرائے افغان کا پتہ نشان نہیں ملا۔

بہت شوق و ذوق سے اور خشوع و خضوع سے اور بڑی عقیدت مندی کے ساتھ حاضرِ خدمت ہونے لگے یہی کیفیت آس پاس کے رہنے والوں کی تھی غرض کہ بکثرت آتے مرید ہوتے اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر جان نچھاور کرنے لگتے۔

(۱۹) حضرت سید عبدالوہابؒ ترمذی

قطب الاقطاب حضرت شاہ سید عبدالوہابؒ[1] زیدیؒ ساداتِ ترمذ سے تھے اور حضرت

---

[1] سید عبدالوہاب ترمذیؒ حضرت سید عبدالحمید گنج العلم کے صاحبزادے تھے ان کا ذکر خیر اخبار الاخیار میں بھی ہے اور خزینۃ الاصفیاء میں بھی ہے بچپن سے آثارِ ولایت ہویدہ تھے۔ حضرت گنج العلم طلباء کو کتاب ہدایہ کا درس دے رہے تھے جو فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب ہے کسی نکتے کے حل کرنے میں مشغول تھے کہ یہ بچوں کے ساتھ کھیلتے کودتے ادھر آئے اور دو باتیں ایسی کہیں کہ نکتے کا حل نکل آیا۔ بچپن میں اپنے والدِ محترم کے ہمراہ حوض پر غسل کرنے گئے تھے پانی میں سے ایک شخص نمودار ہوا اور اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کے پانی میں کھینچ لیا اور دونوں لاپتہ ہوگئے۔ ہر چند تلاش کیا مگر ملے نہیں۔ مدتوں بعد پھر حوض میں سر نظر آیا تو آپ کو نکالا۔ اب یہ کیفیت تھی کہ علم سے بھی مالا مال تھے اور روحانیت سے بھی۔ اس کے بعد درس و تدریس میں مشغول رہنے لگے جو آبائی مشغلہ تھا۔ ایک دن اپنے کتب خانے میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول تھے ہر طرف کتابیں ہی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ تن تنہا تھے کوئی دوسرا وہاں نہ تھا۔ اچانک آپ کی خلوت گاہ میں ایک شخص پہنچے۔ جن کی آنکھیں ماتھے کے اوپر تھیں۔ انھوں نے کتابوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ کیا ہے؟ اور ان میں مشغول رہنا کیا ہے؟ اس بات کے سنتے ہی قطب الاقطاب حضرت سید عبدالوہابؒ پر عجب کیفیت طاری ہوئی اور آپ نے سب کچھ ترک کردیا اور عبادت میں مشغول رہنے لگے ۹۶۵ھ/1557ء ہجری (عہدِ اکبری) میں وفات پائی ۱۱ ربیع الآخر کو سالانہ عرس ہوتا ہے۔ مزارِ پُرانوار ساڈھورہ کی ایک مسجد میں ہے جو عہدِ عالمگیر اورنگ زیب میں مکرر تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد میں سورۂ یٰسین منقوش ہے اور دیدہ زیب گلکاری بھی ہے لیکن اب قابلِ مرمت ہے۔ ان بزرگ کی یہ کرامت مشہور ہے کہ جب گلتے بھینس بکری کسی سبب سے دودھ نہیں دیتیں تو پانی کسی برتن میں لاکر مزار کے قریب رکھتے ہیں۔ پھرلے جاکر اس پانی سے تھنوں کو دھوتے ہیں تو جانور (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

سید احمد[1] توختہؒ کی اور امام المومنین حضرت زیدؑ[2] (ابن حضرت امام زین العابدین علی بن حضرت امام حسین شہید کربلا علیہ السلام کی اولادِ پاک نہاد سے تھے (ساڈھورہ ہی میں رہتے تھے. کم آمیز و گوشہ نشین تھے) جب حضرت قمیصِ اعظمؒ کی خبر انھیں پہنچی تو انھوں نے سلام کہلا کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دودھ دینے لگتے ہیں۔ یہ کرامت بھی ہے کہ اگر کوئی پاگل یا دیوانہ ہو جاتا ہے تو اسے لاکر اس کا سر طاق میں رکھ دیتے ہیں تو جب تک دیوانہ پن رفع نہیں ہوتا وہ سر وہاں سے اٹھا نہیں سکتا. جب صحیح ہو جاتا ہے تو اٹھا لیتا ہے۔

[1] حضرت سید احمد توختہ ترمذیؒ حسینی سادات میں سے تھے۔ بہت ہی برگزیدہ اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ترمذ میں رہتے تھے. غیبی اشارہ سے لاہور میں تشریف فرما ہوئے. مخلوق کی رہنمائی فرمائی۔ ہزارہا طالبین کو خدا رسیدہ بنایا. بکثرت اشخاص نے آپ سے فلاحِ دارین حاصل کی. توختہ لقب اس لیے ہوا کہ ایک رات آپ کے پیر روشن ضمیر نے حجرے میں سے آپ کو آواز دی اور بلایا. آپ پہنچے تو حجرے کا دروازہ بند تھا. آپ نے ادباً نہ تو آواز دی نہ دستک دی رات بھر خاموش کھڑے رہے۔ صبح سویرے ہی جب پیر روشن ضمیر نے حجرے کا دروازہ کھولا اور سید احمدؒ کو کھڑا دیکھا تو بہت ہی خوش ہوئے اور توختہ کے لقب سے ملقب فرمایا. توختہ ترکی زبان کا لفظ ہے. ترکی زبان میں کھڑے رہنے والے کو توختہ کہتے ہیں اور اسے بھی توختہ کہتے ہیں جو ہر وقت حاضر خدمت رہتا ہے۔ حضرت سید احمد توختہ ترمذیؒ نے ۶۰۲ھ (1205) میں اس دنیا سے پردہ فرمایا اور واصلِ حق ہوئے مزار پُر انوار محلہ جہل بی بی (طویلہ غلام محی الدین متصل چوک نواب صاحب) اکبری دروازہ لاہور میں ہے یزار و یتبرک بہ (خزینۃ الاصفیا و کتاب پیر بدھو شاہ قلمی)

[2] امام المومنین حضرت زید علیہ السلام کو امام ماننے والے اور جو بھی ان کی اولادِ پاک نہاد سے ہیں وہ زیدی مشہور ہیں۔ زیدی شیعہ بھی ہیں اور سُنّی بھی ہیں۔ جو شیعہ ہیں وہ تبرائی نہیں ہیں بلکہ خلفائے راشدین کو مانتے اور احترام کرتے ہیں۔ ان بزرگ کی اولاد میں اکثر شیعہ ہیں جو آبائی مسلک پر ہیں تبرائی نہیں ہیں مگر بعض سُنی بھی ہیں سید بدر الدین عرف پیر سید بدھو شاہ انہی بزرگ کی اولاد میں سے تھے اور گرو گوبند سنگھ جی کے رُفقاء میں سے تھے۔ بڑے ہی جاں نثاری کے کارنامے انجام دیئے تھے۔ (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

بھیجا اور ایک پیالے[1] میں لبالب دودھ بھر کے بھیجا۔ (فرستادہ لے گیا سلام عرض کیا اور دودھ سے بھرا ہوا پیالہ پیش کیا) حضرت قمیصِ اعظمؒ نے سلام کے جواب میں تو وعلیک وعلیہ السلام فرمایا اور اگرچہ پھولوں کا موسم بھی نہیں تھا لیکن آپ نے اپنی آستینِ مبارک سے تر و تازہ پھول نکالا اور پیالے میں دودھ کے اوپر رکھ دیا اور فرمایا کہ بعینہ اور وہ پیالہ ان کو بھیج دیا۔ جب وہ فرستادہ پیالہ لے کر حضرت سید عبدالوہابؒ کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے فرمایا ماہِ من از آں آفتاب ہمچو سہا شد" میرا ماہتاب اس آفتاب سے تو سہا ستارہ ہی بن کے رہ گیا ہے۔ (پہلے چاند تھا مگر اب چمک دار ستارے کی مثل ہے پہلی سی آب و تاب نہیں رہی ہے گویا کہ حضرت قمیصِ اعظمؒ مرتبے میں مجھ سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ یہ انکساری کے ساتھ اعترافِ کمال ہے۔

(۲۰) قاضی ابوالمکارم

قاضی ابوالمکارمؒ[2] قصبۂ ساڈھورہ کے بہت بڑے آدمی اور معززین اشخاص میں سے تھے اور یہ بھی شہرت تھی کہ قاضی ابوالمکارم حضرت ابراہیمؒ[2] بن ادہم کی نسل سے ہیں۔ غرض کہ جب یہ خبر انھیں پہنچی (کہ حضرت سید عبدالوہابؒ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تمام سکھ آج تک دل سے ان کی عزت کرتے ہیں۔ یہ بزرگ عصبیت سے مبرّا تھے میں نے ان کی سوانح حیات لکھی ہے جو زیرِ طبع ہے۔ (حیات پیر سید بدھو شاہؒ)

[1] دودھ بھرا پیالہ بھیجنا اور جس کے پاس بھیجنا اور اس کا دودھ پر پھول رکھ کر واپس کرنا کتنے ہی بزرگوں کے حالات میں مذکور ہے۔ لیکن اب نہ تو اس درجے کے بزرگ رہے نہ یہ رسم رہی۔

[2] قاضی ابوالمکارمؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ازنسلِ سلطان ابراہیم بن ادہم اشتہار دارند یعنی قاضی ابوالمکارمؒ کی یہ شہرت ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؒ بن ادہم سلطانِ بلخ کی نسل سے ہیں۔ نسل سے مراد اولاد بھی ہوتی ہے اور کنبہ و خاندان بھی۔ یہاں کنبہ و خاندان ہی مراد ہے کیونکہ حضرت ابراہیمؒ بن ادہمؒ کے ایک ہی صاحبزادے تھے جن کا نام نامی اسحاق تھا نوجوانی ہی میں ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیمؒ بن ادہم جلیل القدر اور تارک دنیا بزرگ تھے۔ ان کی نسبت خاندان والوں کے لیے باعثِ فخر ہے اسلیے قاضی ابوالمکارم حضرت ابراہیم ادہمؒ کی نسل سے مشہور تھے۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ مشائخ چشتیہ کے اکابر میں سے ہیں (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

قطب الاقطابؒ نے ایسا کچھ فرمایا ہے) تو انھوں نے بھی حاضرِ خدمت ہونے کا ارادہ کیا اور کشف وکرامت کے آزمانے کے لیے اپنے دل میں یہ بات رکھی کہ اگر ملاقات ہوتے ہی حضرت قمیص اعظمؒ نے قلمدان مجھے عنایت فرمایا تو میں بھی ان کا مرید ہو جاؤں گا تو جیسے ہی قاضی ابو المکارم حاضرِ خدمت ہوئے۔ آپ نے فوراً ہی انھیں قلمدان عنایت فرمایا اور وہ بھی حضرت قمیص اعظمؒ سے بیعت ہو گئے۔ غرض کہ اس علاقے کے رہنے والے بکثرت حاضرِ خدمت ہوتے اور ان کرامات کا مشاہدہ کرتے جو آپ سے ظہور میں آتی رہتی تھیں اور مرید ہو جاتے تھے اور جو بھی آتے وہ نعمائے دینی و دنیاوی سے خوب مستفید ہوتے تھے اور ہمیشہ ہی آتے رہتے اور فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔

(۲۱) پیر نور قصبۂ ساڈھورہ میں بلکہ آبادی شہر میں پیر نور[لہ] مقام ہے جہاں باشندگانِ ساڈھورہ کے جدّی قبرستان وغیرہ ہیں۔ ساڈھورہ کے سارے ہی معزز اشخاص اور اکابر (حضرت قمیص اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساڈھورہ میں قیام کرنے کی درخواست کی جو آپ نے منظور فرمائی) چنانچہ ساڈھورہ کے جملہ اکابر آپ کے ہمرکاب ہوئے اور وہاں سے جہاں آپ مقیم تھے یعنی سرائے افغان کے پاس سے) آپ کو ساڈھورہ لے آئے اور مقام پیر نور میں آپ کو فروکش کیا (غالبًا اس لیے کہ آپ کی برکت سے ساڈھورے والے بھی مستفید ہوتے رہیں اور آنے جانے والوں کو بھی سہولت حاصل رہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ راقم نے آپ کے حالاتِ زندگی تحقیق سے لکھے ہیں اور یہ کتاب حیاتِ حضرت خواجہ ابراہیم ادہمؒ شائع ہو چکی ہے اور کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ اردو بازار دہلی ۶ سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

لہ پیر نور۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ مقام محلہ قاضیان کے قرب وجوار میں تھا۔ محلہ قاضیان سے جانب مغرب ایک مسجد ہے جسے مسجد قمیصیہ بتاتے ہیں تعجب نہیں کہ اس کے قرب وجوار ہی میں حضرت قمیص اعظمؒ کی ابتدائی قیام گاہ ہو۔

(۲۲) پیغامِ شادی

جب آپ مقام پیر نور ساڈھورہ میں مقیم تھے تو ایک دن شیخ عبدالواحد سے دریافت فرمایا جو ساڈھورہ ہی کے رہنے والے تھے کہ میر سید نصر اللہ واسطی جو عالم معتبر اور اولیاء عصر سے ہیں اور جو قدوۃ العارفین حضرت ابوالفرح واسطیؒ کی اولادِ پاک نہاد سے ہیں اور جو سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام اور اسد اللہ الغالب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ ورضی اللہ عنہ کی اولادِ پاک نہاد سے صحیح النسب سید ہیں کیا وہ یہیں رہتے ہیں؟ شیخ عبدالواحد نے عرض کیا کہ بیشک سید نصر اللہ واسطی ہیں (اور یہیں رہتے ہیں) آپ نے فرمایا اچھا تو میرا یہ پیغام لے جاؤ اور ان سے یہ کہو کہ آپ کی صاحبزادی بی بی عائشہ لوحِ محفوظ میں سید شاہ قمیصِ قادری کے نام لکھی ہوئی ہیں لہٰذا آپ انھیں سید شاہ قمیصِ قادریؒ کے نکاح میں دے دیں۔ جب شیخ عبدالواحد نے آپ کا یہ پیغام سید نصر اللہ صاحب واسطی کو پہنچایا

لہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا وعلیہا السلام حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں ۵ قبلِ بعثت میں تولد ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کو بہت ہی چاہتے تھے اور فرماتے تھے اَلْفَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ حضرت فاطمہ میری لختِ جگر ہیں اور میرے ہی گوشت کا ایک ٹکڑا ہیں۔ جس بات سے انھیں تکلیف ہوگی۔ مجھے بھی ہوگی۔ ۲ھ؁ ۶۳۲ میں حضرت علی علیہ السلام وکرم اللہ وجہہٗ سے آپ کی شادی ہوئی۔ پانچ بچے ہوئے۔ ایک بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ چار یہ ہیں:-

(۱) حضرت امام حسن علیہ السلام (۲) حضرت امام حسین علیہ السلام (۳) حضرت زینبؓ (۴) حضرت رقیہؓ۔ دونوں صاحبزادے شہرۂ آفاق شخصیت کے مالک ہیں۔ تاریخ اسلام میں ان دونوں بزرگوں کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال سے چھ مہینے بعد ۲۴ برس کی عمر میں رمضان المبارک ۱۱ھ؁ ۶۳۲ ہجری میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں آسودۂ خوابِ آخرت ہوئیں۔

صلوات اللہ علیہا

تو وہ سوچنے لگے۔ سوچنے سمجھنے کے بعد انھوں نے کہا کہ کنبے قبیلے والوں کے لڑکوں لڑکیوں کے شادی بیاہ کنبے قبیلے ہی میں ہوا کرتے ہیں یہی عام دستور ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ صاحب کس خاندان سے ہیں اور کس قبیلے سے ہیں (انھوں نے صرف یہی بات کہی) شیخ عبد الواحد نے یہی بات حضرت قمیصِ اعظمؒ کی خدمت میں عرض کر دی تو آپ نے رسالتمآب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اور حضرت علی مرتضیٰ صلوٰات اللہ علیہ السلام کی طرف اور اپنے جدِ بزرگوار حضرت پیران پیر دستگیر سید عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرّہٗ العزیز کی طرف رجوع فرمایا۔ (کہ حضرت سید نصر اللہ واسطی کو میرے حسب و نسب کے متعلق جو فکر و تردد ہے وہ رفع ہو جائے۔ اور حقیقتِ حال ان پر روشن ہو جائے) چنانچہ سید نصر اللہ واسطی نے خواب میں دیکھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے چاروں برگزیدہ اصحابؓ اور حضرت پیران پیر قدس اللہ سرہٗ العزیز جناب سید نصر اللہ صاحب واسطیؒ کے گھر میں تشریف فرما ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اے میرے بیٹے سید نصر اللہ یہ بات جان لو اور سمجھ لو کہ سید شاہ قمیصِ اعظم میرا ہی صحیح النسب فرزند ہے۔ اس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجایش نہیں ہے۔ اور تمھاری دخترِ نیک اختر اسی کے مقدر میں ہے لہٰذا تم اپنی صاحبزادی کا نکاح سید شاہ قمیصِ اعظم ہی سے کر دو۔ سید نصر اللہ واسطیؒ بیدار ہوئے تو انھوں نے اپنا خواب اپنی اہلیہ کو اپنے گھر والوں کو اپنے بھائی بندوں کو اپنے دوست احباب کو اور قاضی ابو المکارم کو سنایا اور (متفق الرائے ہو کر حضرت سید شاہ قمیصِ اعظمؒ سے) اپنی صاحبزادی کی شادی کرنے کا تہیہ کر لیا۔

(۲۳) شادی خانہ آبادی

چنانچہ حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق سید نصر اللہ واسطیؒ نے ماہ رجب المرجب ۹۵۸ھ (1551) ہجری کی گیارہویں تاریخ سنیچر (ہفتے) کی رات کو اپنی صاحبزادی کی شادی حضرت سید قمیصِ اعظمؒ سے کر دی۔ یہ واقعہ کتاب ثمرات القدس[1] میں منقول ہے۔ (دستور کے مطابق)

---

[1] ثمرات القدس لعل بیگ لعلی کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ نیشنل میوزیم کراچی پاکستان میں محفوظ ہے۔ (کتب تصوف کے ان مخطوطات کی فہرست جو ابھی تک شائع نہیں ہوئے ہیں ص ۲) اس کتاب کا پورا نام ثمرات القدس من شجرات الانس ہے۔ ثمرات القدس کا ایک قلمی نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد (انڈیا) میں ہے۔

جب حضرت سید شاہ قمیص اعظمؒ کو گھر میں لے جایا گیا تو (آپ نے غالباً تخلیہ میں دیکھا کہ) بی بی عائشہ صاحبہ اپنے خاندان و قبیلہ کے دستور کے مطابق زیور پہنے ہوئے ہیں آپ نے ان سے کہا کہ اس زیور کو اتار دو جو محض دنیادی زیب و زینت ہے اور مستحقوں کو خیرات کر دو۔ (کیونکہ) اس زیور میں سے مجھے (دنیاداری کی) بو آتی ہےلے۔ حضرت بی بی صاحبہ نے ارشاد کی تعمیل کی (زیور اتار دیا اور مستحقوں کو خیرات کر دیا۔ گویا کہ یہ بھی بڑی نیک اور وفادار خاتون تھیں (ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی ایسا ہی کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے سے سونے کے کنگن اتار دیئے تھے جو وہ ہاتھوں میں پہنے ہوئے تھیں۔ (الحدیث)

لے جناب سید اظہار احمد گیلانی ایم اے نے (تذکرۂ قمیص الاعظمؒ ص ۱۶) میں کتاب خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ کے حوالے سے یہ لکھا ہے:-

> شادی کے بعد رخصتی کے وقت آپ نے سید نصر اللہ واسطی کی حویلی کی ڈیوڑھی پار کرنے سے پہلے اپنی زوجۂ محترمہ سیدہ عائشہ سے فرمایا اس زینت دنیاوی کے مظہر زیورات کو اتار کر خدا کے راستے میں مستحقین میں تقسیم کر دو۔

لیکن کتاب خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ (ص ۱۹ آذر گلشن) میں صرف اتنا ہے:-

> چوں آں حضرت را اندرونِ محل بردند در بر سم برادران و قبیلۂ خود بی بی عائشہ زیور داشت حضرت فرمود کہ ایں زیورہا کہ، زینتِ دنیادی است، دور کردہ مستحقان را عند اللہ بدہند الخ

اس میں نہ شادی کے بعد ہے نہ رخصتی کے وقت ہے اور نہ اس غیر مہذب طریق کار کا مذکور ہے کہ حویلی کی ڈیوڑھی پار کرنے سے پہلے ہی اپنی اہلیہ سے یہ کہنے لگے تھے کہ زیورات کو .... الخ بزرگوں کی سیرت کو بگاڑنا اور بدنما بنانا بہت ہی معیوب ہے۔ معتقد نما اشخاص کی ایسی ہی نازیبا حرکات سے خانقاہیت ہدفِ ملامت ہے۔ طرفہ تر یہ کہ ان کے خدا رسیدہ مرشد شیخ و آقا سید انور حسین نفیس الحسینی صاحب نے بعنوان فتح یاب پیش لفظ لکھا ہے لیکن انھوں نے بھی اس بے راہ روی سے (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

دوسرے دن کھانے کے وقت سید نصراللہ واسطیؒ آپ کو اپنے گھر لے گئے۔ دسترخوان بچھایا گیا (کھانا لاکر رکھا گیا) تو آپ نے یعنی حضرت سید شاہ قمیص اعظمؒ نے اپنی قدیم عادت کے مطابق کھانے میں ہاتھ تو ڈالا مگر سر پر اور مونھ پر مل لیا۔[لے] (کیونکہ) جب سے سلطان نصیب شاہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) محترز رہنے کے لیے اشارہ تک نہیں کیا ہے۔ پھر ایسے برگزیدہ راہ آشنا سے رہنمائی کی توقع اگر سراب راہ نہیں تو کیا ہو سکتی ہے۔ کیا کسی ایسے شخص کو پیش لفظ لکھنے کا حق حاصل ہے جسے موضوع پر پورا عبور نہ ہوا اور جو سطحی لغزشوں سے بھی مجتنب نہ رکھ سکے۔ کیا یہ سچ ہے؟ ؎

یہ آوے کا آوہ ہے بگڑا ہوا   کہ ہر سمت سے جہل پھیلا ہوا

گھر میں لے جانے کا مدعا ظاہر ہے کہ حضرت قمیص اعظمؒ کے پاس غالباً زنانی رہائش کے لائق مکان نہیں تھا اسی لیے آپ شادی کے بعد سید نصراللہ واسطی ہی کے دولت کدہ پر فروکش رہتے تھے۔ خوارقات میں لکھا ہے:۔ چوں کتخدائی شدہ بود بخانہ میر سید نصراللہ سکونت داشتند (ص ۲۳) اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی رہائش کے لیے سید نصراللہ واسطی کی حویلی ہی میں انتظام کر دیا گیا تھا اور رہائش ہی کے لیے آپ کو حویلی میں لے جایا گیا تھا۔

لے یہ بھی بات کا بتنگڑ ہی ہے۔ جو عقیدت مندوں کی کارستانی ہو سکتی ہے۔ خورد و نوش کی صلاحیت فطری امر ہے۔ عادت نہ رہے تو نہ رہے لیکن فراموش نہیں ہو سکتی۔ نوزائیدہ بچہ بھی مونھ ہی سے شیرخواری کرتا ہے اور تلاش میں مونھ ہی مارتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ شمالی ہند میں اور بنگالہ دیش میں چاول خوری کے اسلوب میں قدرے امتیاز ہے۔ شمالی ہند میں انگلیوں کے اگلے پوروں سے کھاتے ہیں اور بنگالہ دیش کے رہنے والے اکثر کچھ اس طرح کھاتے ہیں کہ بادی النظر میں ایسا لگتا ہے کہ جیسے مٹھی بھر بھر کے کھا رہے ہیں۔ کبھی کبھی مونھ کے آس پاس چاول لگ بھی جاتے ہیں۔ اتنی سی بات کو افسانہ بنا دیا ہے جو ہرگز قابل قبول نہیں۔ سر پر ملنا بھی مبالغہ ہی مبالغہ ہے از خود رفتہ دیوانوں کو بھی کسی نے ایسا کرتے نہیں دیکھا ہے۔

پھر حبس بے جا (کوٹھری) سے نکلے بھی مدت مدید گزر چکی تھی۔ اسی دوران میں عراق و عرب کی بھی آپ نے سیاحت فرمائی تھی۔ تعجب ہے کہ کہیں بھی شعور بیدار نہیں ہوا (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

لڑکی زمین میں دھنسی تھی اور آپ کوٹھری میں بند ہو گئے تھے اور کوٹھری کا دروازہ مٹی سے بند کرا دیا تھا تو آپ نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا اور یہ بھول گئے تھے کہ کھانا کس طرح کھایا جاتا ہے۔

جب سید نصر اللہ واسطیؒ نے (یہ کچھ دیکھا تو) آپ کے خادموں سے کھانے کی اس ہیئت کے متعلق دریافت حال کیا آپ کے خادم شیخ عنبرؒ نے اور شیخ گدآئی نے اور دوسرے ساتھیوں نے پورا ماجرا سنایا کہ حضرت تاج الدین قادریؒ (کو خواب میں بنگالہ جانے کی ہدایت ہوئی وہ) بنگالہ آئے اور انھوں نے اپنے صاحبزادے سید ابو الحیاتؒ کی شادی سلطان بنگالہ شاہ حسین کی لڑکی سے کی اور ان محترمہ سے تین لڑکے ہوئے۔ اور حضرت سید شاہ قمیصِ اعظمؒ کی شادی ان کے ماموں نصیب شاہ کی لڑکی سے ہوئی۔ پھر نصیب شاہ کی لڑکی کا زمین میں دھنسنا۔ (کوٹھری میں بیٹھ گئے) کوٹھری کے دروازے کو بند کرا لینا (کوٹھری سے نکلنا) اور ہندوستان کی طرف چلے جانا اور دریا میں ہفت سیفی کے عمل میں مشغول رہنا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد اسمائے الٰہی کے پڑھنے میں مشغول رہنا (بعد ازاں حجِ بیت اللہ کو جانا پھر بغداد شریف جانا اور جدِ بزرگوار حضرت پیران پیر دستگیر محی الدین سید عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے پانی بھرا لوٹا ملنا بعد ازاں ہندوستان آنا۔ اجمیر شریف جانا اور بارگاہ خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین حسن سنجریؒ قدس اللہ سرہٗ العزیز سے دستار ملنا اور آپ کا معذرت کرنا وغیرہ وغیرہ سب کچھ بیان کیا (اور یہ بھی بیان کیا کہ) حضرت سید قمیصِ اعظمؒ جب ملکِ عرب سے اور مشرقی (یوپی) ملک سے اجمیر شریف وارد ہوئے تو بہت سے اسرار و انوار متجلی ہوئے اور ولایت کی علامات و کرامات اور زہد و تقویٰ کی بے مثل خوبیاں مشاہدے میں آئیں جو معجزۂ یدِ بیضا کی مثل جلوہ گر تھیں۔ اور ان شہروں کے رہنے والے اکثر و بیشتر آپ کی خدمت میں حاضر ہو ہو کے فیضیاب ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ براہِ دہلی ساڈھورہ تشریف لائے (حضرت سید

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ماشاء اللہ یہ طرفہ تر ہے۔ میرے نزدیک یہ افراط عقیدت کا اور نافہمی کا ثمرہ ہے۔ قلم کار کی ذمہ داری یہ ہے کہ جب ایسی گتھیاں حائل ہوں تو سلیقہ سے انھیں سلجھا کر قدم آگے بڑھائے۔

نصراللہ واسطیؒ نے یہ واقعات سنے تو انھیں کامل اطمینان حاصل ہوا)

(۲۴) ہُمایوں بادشاہ حضرت سید شاہ قمیص اعظمؒ کے دہلی سے ساڈھورہ پہنچنے اور سکونت اختیار کرنے کے کچھ دنوں بعد ہمایوں[۱] بادشاہ لشکرِ جرّار لے کر ولایت (کابل) سے ہندوستان پہنچا۔ اس کے لشکر میں بہت سے تجربہ کار اور نامی گرامی امیر بھی تھے۔ جو شہر یا جو دیہات راستے میں پڑتا اسے لوٹتے اور وہاں کے رہنے والوں کو قتل کرتے یا قیدی بناتے آگے بڑھے چلے آتے تھے۔ سہرند[۲] پہنچے (سہرند میں سکندر سوری سے سخت مقابلہ ہوا)

---

[۱] ظہیرالدین بابر بادشاہ کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا نصیرالدین ہمایوں ۹۳۷ھ/1530ء میں بادشاہ بنا اور ملک کی توسیع میں مشغول ہوگیا۔ جونپور فتح کر لینے کے بعد گجرات کی مہم میں مشغول ہوا تو شیر شاہ سوریؒ مشرقی اضلاع کو فتح کرنے کے بعد ہُمایوں سے نبرد آزما ہوا۔ ہُمایوں شکست کھا کر ۹۴۶ھ/1539ء میں ایران چلا گیا اور شاہ ایران طہماسپ سے مدد لے کر ۹۶۲ھ/1555ء میں دوبارہ ہندوستان آیا۔ پنجاب کے علاقوں کو فتح کرتا ہوا سہرند پہنچا۔ سکندر سوریؒ جو اس وقت ہندوستان کا بادشاہ تھا اور جس کی حکومت دریائے اٹک سے گنگا کے دہانے تک تھی۔ اس نے سہرند میں ہُمایوں سے مقابلہ کیا سخت رن پڑا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے ہمایوں کی فتح ہوئی اور سکندر سوریؒ شکست کھا کر کوہ شوالک کی طرف چلا گیا۔ ہُمایوں نے امیرالامرا بیرم خاں کو اور شہزادۂ اکبر کو سکندر سوریؒ کے تعاقب میں بھیجا۔ سکندر سوریؒ مشرقی ممالک کی طرف بھاگ گیا۔ ہُمایوں سہرند سے براہ شاہ آباد دہلی روانہ ہوا۔ دہلی پہنچ کر تختِ شاہی پر جلوس کیا اور آگرے کو بھی فتح کرلیا۔ چھ[۶] مہینے ہی ہوئے تھے کہ شیر منڈل (پرانا قلعہ دہلی) سے اتر رہا تھا کہ پیر پھسلا اور نیچے آپڑا چوتھے دن ۱۱ ربیع الاوّل ۹۶۳ھ/1556ء کو وفات پائی۔ از بام اوفتاد تاریخ وفات مشہور ہے۔ مقبرہ ہُمایوں دہلی نہایت عالیشان اور لائقِ دید عمارت ہے۔ مقبرے کے شمال مشرقی گوشے میں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کا رہائشی مکان ہے۔ جسے چلہ کہتے ہیں اور جنوب مغربی گوشے میں عمارت عرب سرائے ہے جو ہُمایوں بادشاہ کی اہلیہ مریم زمانی نواب حمیدہ بانو عرف حاجی بیگم نے ۹۶۹ھ/1561ء میں تعمیر کرائی تھی۔ مدرسہ قائم کیا تھا اور عرب شرفاء و فضلا کو اس میں آباد کیا تھا۔

[۲] سہرند۔ مشہور شہر ہے۔ حکام صوبہ کا صدر نشین بھی رہا ہے (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

سہرند کے گرد و نواح میں حضرت قمیص اعظمؒ کے بہت سے مرید و عقیدتمند بھی رہتے تھے۔ ان پر بھی مصیبت آئی۔ بہت سے مارے گئے اور بہت سے قیدی بنا لیے گئے، جنھیں ہمایوں بادشاہ کے سپاہی دہلی لے جا رہے تھے۔ نواحِ سہرند کے غریب و مسکین آدمی جو حضرت قمیص اعظمؒ کے معتقد و مرید تھے آپ کی خدمت میں فریاد لے کر آئے۔ آپ نے ان کی فریاد سنی تو آپ صرف اللہ کے بھروسے پر ہمایوں بادشاہ کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے اور قصبہ شاہ آباد[1] میں راستے ہی میں ہمایوں بادشاہ سے ملاقات کی اور ہمایوں بادشاہ سے کہا کہ اے بادشاہ! ہندی قیدیوں کو چھوڑ دیجئے۔ بادشاہ نے امیر الامرا بیرم خاں[2] کی طرف دیکھا گویا کہ دریافت کیا کہ یہ درویش

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ مقام ساڈھورہ اور انبالہ سے جانب غرب و شمال ہے۔ تاریخ مبارک شاہی کا مصنف یحییٰ سہرندی بھی یہیں کا رہنے والا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہٗ العزیز کا مزار پر انوار بھی سہرند ہی میں ہے اور مرجع خلائق ہے۔ ۲۷ صفر کو عرس ہوتا ہے اور ہندو پاک کے عقیدت مند بکثرت شریک ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے حقیقی چچا کی اولادِ پاک نہاد سے ہیں۔ سہرند میں بھی بعض انبیاء کی مزارات ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بھی انبیائے بنی اسرائیل ہی میں سے ہوں۔

[1] شاہ آباد۔ شاہراہ اعظم (جی ٹی روڈ) پر واقعہ ہے جو ساڈھورہ سے جنوب مغرب کی طرف ۳۰ میل تقریباً (۵۰ کیلومیٹر) کے فاصلے پر ہے۔ پُر رونق قصبہ ہے۔ اسٹیل کی الماریوں کے کارخانے ہیں۔ آئل مِل ہیں۔ ریلوے اسٹیشن اور بس اسٹینڈ ہے۔ مسجد اور مزارات بھی ہیں مویشیوں کی منڈی بھی لگتی ہے۔ اب مسلمان برائے نام ہیں۔ حضرت قمیص اعظمؒ کی اولادِ پاک نہاد میں سے بعض بزرگوں کے مزار بھی ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام نامی پیر جی سید علی احمدؒ ہے۔ ان کی اولاد سیالکوٹ پاکستان میں ہے۔

[2] امیر الامرا نواب بیرم خاں خانِ خاناں بڑا بہادر قلعہ شکن بڑا مدبّر اور ہمایوں بادشاہ کا بہت ہی وفادار وزیر تھا۔ انتظامِ ملکی میں ماہر تھا۔ ہندوستان کی فتوحات اکثر اسی کی حسنِ تدبیر کا ثمرہ تھیں۔ ہمایوں بادشاہ کی وفات کے بعد جب اکبر بادشاہ تخت نشین ہوا تو بہت ہی کم عمر تھا اس لیے بیرم خان ہی نے کاروبارِ سلطنت کو سنبھالے رکھا اور حکومت پر چھا گیا تھا۔ اکبر بادشاہ نے

(باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

کیا کہہ رہے ہیں)، امیر الامرا بیرم خاں نے بادشاہ سے کہا کہ یہ درویش ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہندی قیدیوں کو چھوڑ دیجیے۔ (بیرم خاں کہہ چکا تو) آپ نے بادشاہ ہُمایوں سے مخاطب ہو کر یہ بھی کہا کہ آپ کو کچھ یاد ہے کہ آپ نے دریا کو عبور کرتے وقت باہم مشورہ کر کے اللہ تعالیٰ سے کیا عہد کیا تھا؟ یہی تو عہد کیا تھا کہ کسی کو قید نہ کرو گے اور آپ کا یہ عہد بارگاہِ خداوندی میں مقبول بھی ہوا تھا۔ شاید کہ یہ عہد آپ نے فراموش کر دیا۔ یہ بات سُنتے ہی ہُمایوں بادشاہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور ادب و احترام کے ساتھ مُلاقات کی۔ آپ نے ملاقات کے دوران بھی یہی فرمایا کہ ہندوستان کے قیدیوں کو چھوڑ دو۔ تمھیں اور تمھاری اولاد کو دہلی کی بادشاہی مبارک ہو۔ واقعہ یہ تھا کہ ہُمایوں بادشاہ نے امیر الامرا نواب بیرم خاں سے مشورہ کر کے یہ طے کیا تھا کہ اگر اس مرتبہ ہندوستان کی فتح نصیب ہوئی تو ہم مخالف ہندوستانیوں کو قید نہیں کریں گے۔ یہ مشورہ دریا کنارے کیا تھا اور جناب باری تعالیٰ میں عرض کر کے عہد بھی کیا تھا۔ مگر فتحیابی کے دوران فراموش ہو گیا تھا اور یاد نہیں رہا تھا۔ ہُمایوں بادشاہ نے اعتراف کیا اور کہا کہ حضرت قمیصِ اعظمؒ نے بھولا عہد یاد دلایا تو یاد آیا۔ اس نے قیدیوں کو چھوڑ دیا اور وہ سب اپنے اپنے وطن اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ امیر الامرا نواب بیرم خاں اس واقعہ سے متاثر ہوا اور آپ سے بیعت ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جب عنانِ حکومت سنبھالی تو بیرم خاں کی مداخلت کو برداشت نہیں کیا اور بیرم خان کو حج کے لیے بھیج دیا۔ بیرم خاں ارادۂ حج سے احمد آباد پہنچا ایک دن تالاب کی سیر کو گیا تھا واپسی میں ایک دشمن نے حملہ کیا اور قتل کر دیا۔ بیرم خاں امیر الامرا کا مصرعِ تاریخِ وفات یہ ہے ؎ گفتا کہ شہید شد محمد بیرام
۹۶۷ھ
(سیر المتاخرین)۔

نواب عبدالرحیم خانِ خاناں اسی بیرم خاں کا بیٹا تھا جو بہت ہی فیاض تھا اور ہندی اور فارسی کا باکمال شاعر تھا۔ جس کے نام و کام کو حیاتِ جاوید حاصل ہے ؎

رہتا قلم سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

عبدالرحیم خانخاناں کا مقبرہ دہلی میں مشہور ہے۔ ان کی اولاد سے حکیم مرزا محمود علی بیگ صاحب بی اے کراچی پاکستان میں ہیں۔ شرفائے دہلی میں سے ہیں بڑے وضعدار با اخلاق شریف الطبع اور متواضع ہیں۔ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر حسن علی صاحب بھی بہت ہی لائق و فائق ہیں۔ لہ اصل فارسی کتاب میں (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

ہمایوں بادشاہ نے حضرت قمیصِ اعظمؒ سے یہ دریافت کیا کہ اے بزرگوار! آپ کہاں رہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں قصبۂ ساڈھورہ میں رہتا ہوں۔ ہمایوں بادشاہ نے کہا اچھا تو میں نے آپ کی خانقاہ کے درویشوں کے مصارف کے لیے قصبۂ ساڈھورہ آپ کی نذر کیا آپ نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ درویش متوکل ہیں (اگر ان کے لیے قصبۂ ساڈھورہ قبول کر لیا تو وہ متوکل نہ رہیں گے بلکہ زمین دار و جاگیر دار سرمایہ دار بن کے رہ جائیں گے اور توکل کی برکت سے محروم ہو جائیں گے) اس کے بعد آپ نے ہمایوں بادشاہ کو رخصت کیا۔ بادشاہ ہمایوں دہلی پہنچ کر تخت نشین ہوا۔ اور اس کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا گیا لیکن چند روز بعد ہی فوت ہو گیا۔ ہمایوں بادشاہ کے بعد جلال الدین محمد اکبر[1] بادشاہ ہوا۔

حضرت قمیصِ اعظمؒ (اس خدمتِ خلق سے یعنی قیدیوں کی رہائی کی خدمت سے فارغ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "بدریائے رودِ نیل" لکھا ہے۔ رودِ نیل یہاں کہاں؟ رودِ نیل تو مصر میں ہے۔ رودِ نیل کے معنیٰ دریائے نیل ہیں اس لیے بدریا کا سابقہ بھی حشو و فضول ہے۔

[1] جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ۹۶۳ھ / 1556ء میں ہمایوں بادشاہ کے بعد چودہ (۱۴) برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ فطری صلاحیتوں سے مالا مال تھا۔ بڑا ہی حوصلہ مند اور خوش اقبال تھا۔ فتوحات بھی کیں اور انتظامِ ملکی کو بھی سنبھالے رکھا۔ اس کے مشیر بھی بہت مدبر تھے۔ راجہ ٹوڈرمل نے مالیات اور زراعت کے شعبوں کو ایسا سنبھالا کہ آج تک اسی کی اصلاحات پر عمل درآمد ہے۔ فیضی اور ابو الفضل بھی بڑے ہی باکمال تھے۔ ابو الفضل کی کتاب آئینِ اکبری بے مثل کتاب ہے جو آج بھی سرمۂ چشم ہے۔ اکبر بادشاہ ہندو مسلم اتحاد کا بھی دلدادہ تھا۔ اکبر بادشاہ نے اکیاون (۵۱) برس بڑی شان سے حکومت کی۔ پہلے دہلی پایۂ تخت تھا۔ پھر آگرہ کو پایۂ تخت بنایا۔ فتح پور سیکری (آگرہ) میں اس کا عالی شان محل موجود ہے۔ ۱۰۱۴ھ / 1605ء میں انتقال ہوا۔ اس کا عالیشان مقبرہ سکندرہ (آگرہ) میں ہے۔

⁘ ⁘ ⁘

ہونے کے بعد۔ قرب وجوار میں خدمتِ خلق انجام دیتے ہوئے) ساڈھورہ پہنچے اور حضرت نصر اللہ واسطیؒ کے دولت کدہ پر قیام پذیر ہوئے کیونکہ شادی کے بعد سے آپ ان ہی کے ہاں رہنے لگے تھے۔ آپ نے ہفت سیفی کے عمل سے فارغ ہونے کے بعد چرمی لباس پہننا بھی چھوڑ دیا تھا اور سفید لباس پہننے لگے تھے اور کھانا بھی اسی طرح کھانے لگے تھے جس طرح سب کھاتے ہیں (البتہ کھانے کی بعض چیزیں جو چمچے سے کھائی جاتی ہیں آپ انھیں بھی انگلیوں ہی سے کھاتے تھے مگر اب انھیں بھی) چمچے سے کھانے لگے تھے۔ کبھی کبھی ایک دو سیر شاہی (کذا؟) بھی کھاتے تھے۔

(۲۵) آثارِ ولادت پہلے بچے کا حمل استقرار پایا۔ ولادت کی ساعت قریب ہوتی جارہی تھی ایک دن بی بی عائشہؒ کے شکم میں شدید تکلیف ہوئی تو دایہ کو بلایا۔ اس نے دیکھا بھالا۔ مگر تکلیف کی کوئی وجہ متعین نہ کرسکی۔ وہ حضرت قمیصِ اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کیفیت بیان کی کہ بی بی عائشہؒ کے شکمِ مبارک میں بہت ہی تکلیف ہے اور وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہے آپ دعا فرمائیں کہ اس تکلیف سے جلد چھٹکارہ نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا بشارتِ خداوندی سے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ العزیز اور بھائی محمد ذاکر القادریؒ کی بشارات سے یہ واضح ہے کہ بی بی عائشہ کے بطنِ مبارک سے لڑکا پیدا ہوگا۔ جو مادرزاد ولی ہوگا۔ یہ بھی ہدایت ملی ہے کہ اس کا نام محمد رکھنا۔ یہ بچہ تین سال بعد پیدا ہوگا کہ جب وہ قرآنِ پاک حفظ کرلے گا[1]۔ جب یہ بچہ پیدا ہوگا تو وہ تکلیف جو بی بی عائشہ کے شکمِ مبارک میں اب ہے وہ بالکل جاتی رہے گی اور سب ہی پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی۔

(۲۶) ولادتِ باسعادت خداوند قدوس کے فضل وکرم سے تین سال چھ مہینے بعد مدتِ حمل گزری اور ۲۹ شعبان المکرم کو فرزند ارجمند تولد

---

[1] بطنِ مادر میں قرآنِ کریم کا حفظ کرلینا عجوبۂ روزگار ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ نے کرامت کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ آنچہ در عقل راگنجایش نہ باشد۔ آں کرامت است (فوائد الفواد ص،) کرامت وہی ہے جس میں عقل کو دخل نہ ہو۔ چونکہ یہ صورت حال مافوق العقل ہے اس لیے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کرامت ہی ہے۔

ہوئے اور بی بی عائشہؒ بھی صحت یاب ہوگئیں۔ بشارت و ہدایت کی روشنی میں محمد نام رکھا جو سید شاہ محمد قادری مشہور ہوا۔ اتفاقاً ۲۹ رشعبان المعظم کی رات کو گہرا ابر طاری تھا۔ چاند نظر نہیں آیا علی الصباح ہی شہر کے سب مسلمان حضرت قمیص اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رویت ہلال کے متعلق دریافت کیا[1] تو آپ نے فرمایا مجھ سے کیا دریافت کرتے ہو اپنے نواسے سید شاہ محمد سے دریافت کرو جو کل ہی تولد ہوا ہے۔ اگر آج دودھ نہیں پیا تو روزہ ہے اگر پیا ہے تو روزہ نہیں ہے۔ لہٰذا دایہ کو اندر سے بلایا اور اس سے معلومات کی تو اس نے بتایا کہ صاحبزادے نے آج دودھ نہیں پیا ہے (قرینے سے) سب نے سمجھ لیا کہ آج کا روزہ ہے۔ اور سب نے (نفلی) روزہ رکھا۔ پورے رمضان یہی کیفیت مشاہدے میں آتی رہی کہ برخوردار ایام شیر خواری میں صرف رات کو دودھ پیتے تھے۔ دن کو نہیں پیتے تھے۔ (کیوں نہیں ولی مادرزاد تھے)

(۲۷) شہدائے بلندی[2]

بیان کرتے ہیں کہ ساڈھورے کے پہاڑ کی چوٹی پر سید عبدالکریم سید عبدالرحیم اور سید عبدالرسول شہدا کے مزارات ہیں

---

[1] رویتِ ہلال کے ایسے ہی واقعات بعض اور اولیاء اللہ سے بھی منسوب ہیں۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے بھی منسوب ہے۔ ظاہر ہے کہ نوزائدہ بچہ کا کوئی عمل دلیل شرعی تو قرار پاتا نہیں لیکن انسان کی فطرت میں امورِ غیبیہ کے تجسس کا جذبہ پنہاں ہے وہی آمادۂ تجسس و تلاش کرتا ہے اور جب تلاش کرنے والوں کو نوزائدہ بچے کے متعلق یہ اطلاع ملتی ہے تو وہ متاثر ہوتے ہیں اور آمادۂ عمل بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر اس جذباتی والہانہ کیفیت کا تعلق مسائلِ شرعیہ سے ذرہ برابر بھی نہیں ہے لہٰذا اس باب میں مسائلِ شرعیہ کی روشنی میں فتویٰ صادر کرنا خلافِ عقل ہے۔ ظاہر ہے کہ رویت کا تعلق چشمِ ظاہر سے ہے امورِ وہبی سے نہیں ہے۔ جو ایسی صورت میں روزہ رکھتے ہیں وہ نفلی روزہ رکھتے ہیں۔

[2] شہدائے بلندی۔ ساڈھورہ سے شمال مغرب میں کوئی پانچ چھ کیلومیٹر کے فاصلے پر گاؤں ٹھسکائن ہے۔ جو نارائن گڑھ کی تحصیل میں ہے۔ دو مزار ہیں جو پہاڑی کے ایک بلند ٹیلے پر ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام عبدالکریم ہے اور دوسرے کا نام عبدالرحیم ہے تیسرا مزار ٹھسکا گاؤں کی (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

جو ساڈھورہ کے قرب و جوار ہی کے رہنے والے تھے۔ اور اس علاقے میں شہدائے بلندی کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرتِ قمیصِ اعظمؒ ان شہداء کی زیارت کو جاتے تو جوتیاں پہن کر نہیں جاتے بلکہ ننگے پانو جاتے آتے تھے۔ (آپ کے ایک مخلص) شیخ عبد المومن نے جنھیں آپ زندہ شیر کہتے تھے آپ کا یہ عمل دیکھا تو آپ سے عرض کیا کہ شہدائے بلندی کے مزارات یہاں سے چار کوس کے فاصلے پر ہیں آپ ننگے پانو۔ انگلیوں کے بل وہاں آتے جاتے ہیں۔ یہ تو بہت تکلیف دہ ہے۔ آپ نے کہا کہ جب میں آیندہ شہدائے بلندی کے مزارات پر جاؤں تو مجھے یہ بات یاد دلانا۔ لہٰذا جب آپ اس کے بعد شہدائے بلندی کے مزارات پر جانے لگے تو شیخ عبد المومن (زندہ شیر) نے یہ بات آپ کو یاد دلائی۔ آپ نے شیخ عبد المومن سے کہا۔ جاؤ تازہ وضو کر کے آؤ۔ جب وہ تازہ وضو کر کے آئے تو آپ نے اپنی انگلی ان کے ہاتھ میں دی وہ انگلی پکڑے پکڑے ساتھ ساتھ چلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ساڈھورہ سے پہاڑ تک شہداؑ کی لاشیں ہی لاشیں ہیں جو ایک دوسرے پر بچھی پڑی ہیں اور آنے جانے والے ان کے سر پر اور ان کے سینے پر اور ان کے جسم پر پیر رکھ کے آتے جاتے ہیں۔ جب حضرت قمیصِ اعظمؒ اپنے حجرے میں واپس آئے تو شیخ عبد المومن (زندہ شیر) سے کہا۔ دیکھ لیا تم نے۔ میں اسی لیے ننگے پانوؤں آتا جاتا ہوں میرے لیے یہی بے ادبی بہت ہے کہ ان پر پیر رکھ کر گزرتا ہوں۔

(۲۸) برادرِ نسبتی سید عبد اللہ سید عبد اللہ حضرت قمیصِ اعظمؒ کے برادرِ نسبتی (سالے) تھے۔ جو اکبر بادشاہ کی فوج میں ملازم ہو گئے تھے۔ اس لشکر کو امیر الامرا نواب (بیرم خاں) خانخاناں کی سربراہی (کمان) میں دکن بھیجا گیا (سید عبد اللہ بھی اس لشکر کے ساتھ گئے) یہ لشکر کچھ دنوں دکن میں مقیم رہا پھر اس لشکر نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایک پہاڑی پر ہے جو سطحِ زمین سے تین سو فٹ کی بلندی پر ہے ان بزرگ کا نام عبد الرسول ہے۔ جو زائرین حضرت قمیصِ اعظمؒ کے روضے پر حاضر ہوتے ہیں وہ شہدائے بلندی کے مزارات پر بھی حاضری دیتے ہیں۔ یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ یہ حضرات کس عہد میں شہید ہوئے اور کسی جنگ میں شہید ہوئے یا کسی متعصب حکمراں نے انھیں شہید کرا دیا تھا۔ حضرت قمیصِ اعظمؒ کے عرس کے موقع پر زائرین شہداء بلندی کے ہاں بھی حاضری دیتے ہیں فاتحہ کے لیے کچھ لے بھی جاتے ہیں، فاتحہ دے کر ایصالِ ثواب کرتے اور تقسیم کر دیتے ہیں۔

قلعہ برہان پور[1] پر حملہ کیا۔ بہت سخت رن پڑا حتیٰ کہ شاہی لشکر محاصرے میں گھر گیا۔ (مخالف لشکر نے چاروں طرف سے ایسا گھیر لیا کہ رسد کا پہنچنا بھی ناممکن ہوگیا۔ موت ہی موت نظر آتی تھی) اس وقت سید عبداللہ کو یاد آیا کہ جب وہ حضرت قمیصِ اعظمؒ سے ملاقات کرنے اور رخصت ہونے گئے تھے تو حضرت والا نے فرمایا تھا کہ جہاں کہیں بھی کوئی مشکل پیش آئے تو تم مجھ فقیر کو یاد کرلینا[2] یہ بات یاد آتے ہی سید عبداللہ نے کہا "اے سید شاہ قمیص الاعظم وقتِ امداد است۔" اے سید شاہ قمیص الاعظم مدد کرنے کا وقت ہے (مدد فرمائیے) جیسے ہی سید عبداللہ نے یہ بات کہی۔ اسی دم حضرت قمیصِ اعظمؒ وہاں جا پہنچے اور ان کی بہت ہی مدد فرمائی حتیٰ کہ سید عبداللہ کی جاں خلاصی ہوئی اور لشکر شاہی کو فتح و نصرت نصیب ہوئی۔

سید عبداللہ تو خلاصی پاکر اپنے لشکر میں جا پہنچے مگر جمدھر (کٹار خنجر) ان کا میدان جنگ ہی میں پڑا رہ گیا وہ حضرت قمیصِ اعظمؒ اٹھا لائے اور ساڈھورہ لاکر سید عبداللہ کی ہمشیرہ صاحبہ کے سپرد کیا اور فرمایا کہ اپنے بھائی کے اس جمدھر (کٹار و خنجر) کو محفوظ رکھو۔ (جب وہ آجائیں تو انھیں دے دینا)

اس واقعہ کے سال بھر بعد سید عبداللہ ملازمت سے دستبردار ہوکر ساڈھورے آگئے تو حضرت قمیصِ اعظمؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور اپنی بہن صاحبہ سے بھی ملے۔ اور ان سے لڑائی کے حالات بھی بیان کیے۔ ان کی بہن نے وہ جمدھر (کٹار خنجر) انھیں دیا جو حضرت قمیصِ اعظمؒ لائے تھے اور یہ کہا کہ جس دن گھمسان کی لڑائی ہوئی تھی اسی دن حضرت والا نے یہ جمدھر میرے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب سید عبداللہ تمھارے بھائی آئیں تو یہ انھیں دے دینا۔ سید عبداللہ نے بتایا کہ بہت ہی گھمسان کا

---

[1] برہان پور مشہور شہر ہے جو دکن میں ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے ایک معزز مرید خلیفہ مولانا برہان الدین غریب ہانسوی تھے جنھیں حضرت والا نے رشد و ہدایت اور دینی خدمت کے لیے دکن بھیجا تھا۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان کا مزار پُرانوار خلد آباد میں ہے۔ ان ہی کے ایک مرید صلاح الدین نے یہ شہر آباد کیا تھا اور اپنے پیر و مرشد کے نام پر برہان پور اس کا نام رکھا تھا جو آباد اور پُررونق شہر ہے۔ [2] بعض کو یہ بدگمانی ہوسکتی ہے کہ مدد تو (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

رن پڑا تھا اس سخت ہنگامے کے وقت جیسے ہی میں نے یاد کیا۔ پلک جھپکاتے ہی آپ پہنچے اور ایسی مدد فرمائی کہ ان خطرناک حالات سے مجھے چھٹکارہ نصیب ہوگیا۔ میری جان بھی اور لشکر کو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔

(۲۹) کوہستانِ سرمور نقل ہے کہ ۹۶۹ھ (۱۵۶۱ء) ہجری میں آپ (اپنے مریدوں سمیت) سرمور[۱] کے پہاڑی علاقے میں سیر کے لیے گئے۔ اس کوہستان کی بلندی پر ناہن واقعہ ہے جو ناہن کی چوٹی مشہور ہے۔ اس قلہ کوہ پر غلہ بالکل ہی نایاب ہے اور بہت ہی کم دستیاب ہوتا ہے۔ کبھی ایک سیر کبھی دو سیر (کیلو) کبھی اس سے بھی کم سوکھا آٹا دستیاب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اللہ پاک ہی سے مانگنی چاہیئے۔ غیر اللہ سے مدد مانگنی شرک ہے۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ رات دن یہی ڈونڈی پٹتی رہتی ہے۔ اندھے محتاج کی مدد کرو۔ نادار طلباء کی مدد کرو۔ اسلامی مدرسے کی مدد کرو۔ یہ کیا ہے؟ یہ حقیقی نہیں مجازی اسلوبِ بیان ہے۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ خدائے پاک توفیق دے تو اس نیکی میں شریک ہو جاؤ۔ اس کے سوا خدائے پاک قادرِ مطلق ہے۔ وہ جس سے کام لینا چاہتا ہے اس سے کام لے لیتا ہے اور اس کے وسیلے سے کام لے لیتا ہے۔ اس نے ابابیلوں سے وہ کام لے لیا جو یادگار زمانہ ہے وہ نیت اور دلی ارادوں سے بھی واقف ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ طلب امداد میں شرک کا شائبہ بھی نہیں ہے وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو مطلع فرماتا اور انھیں مدد کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

مولانا رومؒ نے بجا فرمایا ہے ؎

اولیاء راہست قدرت ازالٰہ ۔۔۔ تیر جستہ باز گردانند ز راہ

[۱] سرمور۔ سرسبز و شاداب پہاڑی علاقہ ہے۔ جو ایک ضلع ہے اس کا صدر مقام ناہن ہے۔ جو پہاڑ کی چوٹی پر آباد ہے۔ ساڈھورہ سے شمال میں ۲۰ کیلو میٹر کے فاصلے پر یہ علاقہ ہے۔ پتھریلا علاقہ ہونے کی وجہ سے غلہ کی پیداوار برائے نام ہی ہے۔ ناہن کی فونڈری بہت مشہور ہے جس میں لوہے کا سامان بنایا جاتا ہے مثلاً ہاون دستہ اور گیہوں نکالنے کی مشینیں وغیرہ۔ سطح زمین سے پہاڑ کی چوٹی تک پختہ صاف ستھری سڑک ہے۔ بسوں کی آمد و رفت بھی ہے۔ مسلمان بھی قلیل تعداد میں آباد ہیں۔ سطح زمین سے چوٹی کی بلندی تقریباً ۶۰۰۰ ہزار فٹ ہے۔

ہوتا تھا۔ درویش وہ آٹا آپ کی خدمت میں پیش کرتے تو آپ فرماتے روٹی پکا کر لاؤ۔ تین سو درویش آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ جب اس آٹے کی روٹی پکا کر لائی جاتی تو آپ فرماتے کہ سب ہی کو برابر تقسیم کر دو اور اتنی ہی میرے لیے لے آؤ لہٰذا آپ کے روبرو تین سو افراد میں برابر سرابر روٹی تقسیم کر دی جاتی۔ سب کھاتے۔ سب کا پیٹ بھر جاتا اور سب ہی سیر ہو جاتے۔ اسی طرح دو ایک برس گزرے اور آپ وہاں عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔

(۳۰) حاتم بیگ تاجر

ایک دن حضرت قمیصِ اعظمؒ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ حجام خط بنا رہا تھا۔ دیکھتا کیا ہے کہ آپ کے کپڑے جو آپ پہنے ہوئے تھے پانی سے تر بتر ہیں اور پانی ٹپک بھی رہا ہے۔ حجام نے حضرت والا سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ پیرہنِ مبارک پانی سے تر بتر ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ماجرا رازِ درویشاں سے متعلق ہے (تم اس راز کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے اس لیے تمھیں بتانا بھی مناسب نہیں ہے۔) جب حجام نے بہت ہی اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ حاتم بیگ تاجر میرا ایک مرید ہے۔ اس نے مالِ تجارت جہاز میں لدوایا جہاز (دریا کے کنارے سے چلا) (بیچ) دریا میں پہنچا ہی تھا کہ بھنور میں پھنس گیا۔ ڈوبنے والا ہی تھا کہ حاتم بیگ نے مجھ فقیر کو یاد کیا۔ میں اس کے یاد کرنے سے واقف ہوا۔ دریا میں پہنچا اور اس کے جہاز کو بھنور سے نکالا۔ اسی سبب سے میرے کپڑے پانی میں بھیگ گئے ہیں۔ (میں نے یہ راز تمھیں بتا دیا ہے لیکن) تم کسی کو نہ بتانا ورنہ تم دیوانے پاگل ہو جاؤ گے۔

حاتم بیگ تین سال بعد بحری سفر سے واپس آئے اور اپنے پیر و مرشد حضرت قمیصِ اعظمؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی پھر صاحبزادگانِ ذوالاعتبار سید شاہ محمد قادریؒ سے اور سید شاہ ابوالمکارم قادریؒ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی یہ دونوں بزرگ اپنے والدِ بزرگوار حضرت قمیصِ اعظمؒ کی موجودگی ہی میں کشف و کرامت کے مرتبے کو پہنچ گئے تھے۔ بہرکیف دورانِ گفتگو میں حاتم بیگ نے جہاز کے بھنور میں پھنسنے کا ذکر کیا اور کہا کہ میں نے بچشم خود یہ دیکھا کہ پیر و مرشد نے اپنے ہی مبارک ہاتھوں سے جہاز کو گرداب سے نکالا اور غرق ہونے سے بچایا پھر میری طرف دیکھا اور تشریف لے گئے۔ (جہاز گرداب سے بچ نکلا اور) سب بچ

بخوبی نظر آنے لگا (ورنہ گرداب میں ایسا پھنسا تھا کہ کسی کو نظر ہی نہیں آتا تھا)۔

(۳۱) بازیٔ طفلاں حضرت قمیصِ اعظمؒ کے دونوں صاحبزادے سید شاہ محمد قادریؒ اور سید شاہ ابوالمکارم قادریؒ بچے ہی تھے اور یہ دونوں اپنے والدِ بزرگوار حضرت قمیصِ اعظمؒ کے روبرو کھیل رہے تھے اور آپ دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت والا اٹھ کھڑے ہوئے صاحبزادے اور بھی زور آزمائی کرنے لگے۔ پھر آپ نے دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ آپ بہت ہی خوش اور مسرور تھے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر) خادموں نے عرض کیا کہ ہم یہ نہیں سمجھ سکے کہ آپ کے اس قدر خوش و مسرور ہونے کا سبب کیا ہے (اس میں ضرور کوئی نہ کوئی بھید ہے) براہ کرم اس سے ہمیں بھی آگاہ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بچوں کو انسانی کمال کے مرتبہ پر فائز فرما دیا ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ اولیا، اولین و آخرین کی مقدس ارواح یہ تماشا دیکھنے کے لیے تشریف فرما تھیں (میرے مسرور و خوشنود ہونے کا سبب یہی دونوں امور ہیں)۔

حضرت قمیصِ اعظمؒ کی کرامات تو اور بھی ہیں جو احاطۂ تحریر میں سماتی نہیں (فی الحال ان ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے)

(خاتمہ)

ذکر خوارقات و کرامات کے بعد حضرت قمیصِ اعظمؒ کی اولاد در اولاد کے اسمائے گرامی ہیں اور بہت سے ہیں جو افراد خاندان ہی کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ عام ناظرین کے لیے کچھ زیادہ سودمند نہیں اس لیے انھیں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

ترقیمۂ کتاب خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ :-

تمت تمام شد بتاریخ پنجم شہر ذی الحجہ سنہ ۱۱ جلوس اکبر شاہ روز یکشنبہ اتمام یافت۔

یہ کتاب پانچویں ذی الحجہ سنہ ۱۱ جلوس اکبر شاہ میں اتوار کے دن تکمیل کو پہنچی۔ گیارہواں جلوس اکبر شاہ سنہ ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۷ء) میں تھا اکبر شاہ سے مراد ابو نصر معین الدین اکبر ثانی ہیں جو عالی گوہر شاہ عالم ثانی کے صاحبزادے اور بادشاہ بہادر شاہ ظفر مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ

کے والد بزرگوار تھے اور انگریزوں کے پینشن خوار تھے۔ ۱۲۵۲ھ / 1837ء تک بادشاہت کی۔

خاتمۂ کتاب کے بعد مصنف نے کتاب سنوات الاتقیا، میں سے حضرت قمیص اعظمؒ کی ایک کرامت نقل کی ہے اور وہ یہ ہے:۔

شیخ بدرالدین بن شیخ ابراہیم سہرندی کتاب سنوات الاتقیا میں لکھتے ہیں کہ میرے والد شاہ قمیصؒ قادری کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ تعلیم حاصل کرنے کے دوران جب میں حضرت شاہ قمیص اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دل میں میرے یہ بات تھی کہ میں حضرت سے یہ عرض کروں کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ پاک مجھے نفع دینے والا علم عنایت فرمائے۔ جیسے ہی میں حاضرِ خدمت ہوا اسلام عرض کیا اور قدم بوس ہوا۔ آپ نے فرمایا شیخ ابراہیم تم علم حاصل کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے حضرت والا کو دیکھا تک بھی نہیں تھا۔ اور میں نے اپنی اس نیت اور اس ارادے کا کبھی کسی پر اظہار بھی نہیں کیا تھا میں نے عرض کیا کہ پیر روشن ضمیر سے کوئی بات ، پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ علمِ ظاہری تمھیں خوب حاصل ہوگا لیکن ہمیں تو تم سے باطنی کام بہت سے لینے ہیں۔ آتے رہا کرو۔ اس گفتگو کے بعد میں حضرت والا سے بیعت ہوگیا۔ آپ نے ذکر کی تلقین فرمائی یعنی ذکر کرنا سکھایا۔ میں برابر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ آپ نے دعائے سیفی پڑھنے کی اجازت دی۔ میں نے عرض کیا کہ اے حضرت! دعائے سیفی کے پڑھنے کی شرطیں بہت ہیں مجھ سے پوری نہیں ہوسکیں گی۔ آپ نے فرمایا تم شرائط کے بغیر ہی پڑھو[1]۔ ہم تمھارے ساتھ ہیں (انشاء اللہ ذرا بھی ضرر نہ ہوگا)۔

---

[1] عامل جب کوئی عمل بتاتا ہے تو چونکہ وہ شرائط کو انجام دے چکا ہوتا ہے اس لیے شرائط کی پابندی لازم نہیں رہتی پھر بھی اگر کوئی انجام دے تو کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے۔

میرے والد بزرگوار یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت قمیص اعظمؒ نے پورب کے ملک (بنگالہ) میں وفات پائی جوان کا اصلی (پیدائشی) وطن تھا۔ اور وہاں سے آپ کا تابوت (وہ صندوق جس میں میت کو رکھ کر ایک جگہ سے کسی دوسری جگہ لے جاتے ہیں) خضر آباد[1] ساڈھورہ لائے۔ جس رات کو آپ کا تابوت (جنازہ۔میّت) خضر آباد ساڈھورہ پہنچا تو آپ کے صاحبزادگان سید محمد شاہؒ اور سید شاہ ابوالمکارمؒ نے اور دوسرے درویشوں نے یہ مشورہ کیا کہ حضرت کا مزار شہر میں یعنی آبادی میں بنانا چاہیے یا آبادی سے باہر بنانا چاہیئے تو سب اس بات پر متفق ہوئے کہ ہم سب استخارہ کریں اور جو حضرت فرمائیں اس پر عمل کریں لہٰذا حضرتِ والا کی روحانی توجہ کے بعد کہ آپ نے سب سے یکساں معنیٰ و مفہوم کے ساتھ یہ فرمایا کہ ہمیں شہر (آبادی) کے باہر رکھو یعنی مزار پُر انوار ساڈھورہ کی آبادی کے باہر بنایا جائے ایسا ہی کیا گیا۔

بڑی سے بڑی کرامت یہ ظہور میں آئی کہ اسی رات دھؤاں دھار بارش ہوئی۔ سیلاب بھی آیا اور اس جگہ گہرا غار بن گیا جہاں آپ کے فرزند اور درویش (پہلے) دفن کرنا چاہتے تھے۔ بہرکیف حضرت قمیص اعظمؒ کو شہر سے باہر دفن کیا۔ آپ کی وفات کی تاریخ (بحساب ابجد) "ریحانِ گلستانِ ایقان" ہے۔ تین ذیقعدہ ۹۹۲ھ ہجری (1584ء) کو آپ نے اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رحلت فرمائی۔

---

[1] خضر آباد ساڈھورہ سے شمال مشرق میں ۵۔۵ کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ چونکہ ساڈھورہ زمانۂ قدیم میں اس علاقہ کا مشہور مقام رہا ہے اس لیے بطور نشاندہی کے ساڈھورہ کا نام شامل رکھا جاتا رہا ہے۔ آج کل خضر آباد میں بہت بڑا الکٹرک پروجکٹ تیار کیا جا رہا ہے۔ خضر آباد جگادری کے تعلقہ میں ہے۔

ضمیمہ

وہ علم دوست احباب جو کتاب حضرت قمیص اعظمؒ کی تدوین سے باخبر تھے انھیں دورانِ مطالعہ میں حضرت قمیص اعظمؒ سے متعلق جو کچھ ملا انھوں نے اس سے مجھے آگاہ فرمایا جس کے لیے میں ان کا دل سے شکر گزار ہوں۔ البتہ جو معلومات مجھے تدوینِ کتاب کے بعد بلکہ کتابت کے بعد دستیاب ہوئیں انھیں میں برمحل شامل نہیں کر سکا لیکن چونکہ وہ بہت ہی کار آمد ہیں۔ لہذا انھیں بطور ضمیمہ شامل کرنا مناسب سمجھا تاکہ ناظرین کرام مستفید ہوں۔ اور آیندہ کے اہلِ قلم بھی بآسانی ان سے استفادہ کر سکیں۔

(۱) صحیفۂ ابرار

مطبوعہ یونین پریس دہلی ۹۴-۱۳۹۳ھ/ 74-1973ء شائع کردہ ادارۂ نور محمدیہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر (یوپی۔انڈیا) یہ کتاب اردو ترجمہ ہے کتاب خیرالبیان کا جس کے مصنف ہیں شاہ جمال محمدؒ بن شاہ مزکی محمدؒ بن شاہ محمدؒ بن حضرت شاہ عبدالرزاق قادری جھنجانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ کتاب شاہ جمال محمدؒ نے ۲۵-۱۰۲۴ھ/ 13-1712ء عیسوی میں تصنیف فرمائی تھی۔ اور درج ذیل واقعہ انھوں نے شیخ فتح اللہ سنبھلیؒ کی مشہور کتاب معارج الولایاء کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ شیخ فتح اللہ سنبھلی حضرت شیخ سلیم چشتیؒ (فتحپور سیکری المتوفی ۹۷۹ھ/1571ء) کے لائق مریدین میں سے تھے اور اہل قلم تھے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا مکتوب شاہ عبدالرزاق قادریؒ جھنجانویؒ کے نام

مکتوب

ابوزید نام ایک ابدال قتال یہاں آیا ہوا ہے اور اس دیار کو اپنا بقعۂ تصرف سمجھ کر

یہاں اقامت گزیں ہوگیا ہے۔ اور یہاں سے جانے کا ارادہ نہیں رکھتا اور یہ چاہتا ہے کہ میری پیشانی پر فدویت کا داغ لگائے۔ جبکہ بلندی و برتری اللہ کی عنایت سے ہے۔ وہ جس کو چاہے عطا کرے ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ ط دوستوں کے لیے اس دعائے خیر کرنے والے کے دل میں بجز اس کے اور کوئی آرزو نہیں ہے کہ چندے یہاں قیام کرے اور مخلص زادہ رُکن الدین کی تربیت و طمانیت اور اس کے حق الیقین و دولتِ یقین کے حصول کے کوشش کے بعد بارگاہ رب العلمین میں حاضر ہو جائے اور دامن رحمت میں پناہ لے۔

میں نے اس ضمن میں شیخ متصرف امام محمد وجیہہ الدین سے بھی رجوع کیا تھا۔ اور استعانت کی درخواست کی تھی۔ لیکن انھوں نے میری درخواست کو قبول نہیں فرمایا اور ملتان کی طرف چلے گئے۔ وقت قطع کرنے والی تلوار ہے اور زمانہ موجِ دریا ہے۔ بہرحال اگر آپ توجہ فرما ہوں اور ازراہِ محبت و اخلاص کسی نہ کسی طرح اس ابدال کو اس قصبے میں اور اس بقعۂ تصرف میں مستقل قیام کے ارادے سے مانع ہوں تو مجھ پر محبانِ اخلاص کے طور سے یہ بڑا کرم ہوگا۔ احسان کی جزا سوائے احسان کے اور کچھ نہیں۔ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان ط میں امید کرتا ہوں کہ محب مکرم کی طرف سے ایسا ہی ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالرزاق قادری جھنجانویؒ ابو یعقوب خراباتی کی مسجد میں بیٹھے ہوئے حجاج سے گفتگو فرمارہے تھے کہ شیخ خانون جونپوری اور شیخ عبدالقدوس تھانیسری آئے۔ اور انھوں نے اپنے شیخ شاہ عبدالقدوس چشتی بن محمد اسمٰعیل ردولوی کا (جو قصبہ گنگوہ میں رہنے لگے تھے) یہ خط پیش کیا۔ (یہ خط صحیفہ ابرار ص ۳۴۔۳۳ میں مرقوم ہے)

شاہ عبدالرزاق قادری جھنجانویؒ ان ایام میں گنگوہ پہنچے جب حضرت شیخ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے دن تھے آپ نے دیکھا کہ وہ قلندر جس نے تجرد اور یک رنگی کو اپنا رکھا ہے اور خود کو عشق اللہ کے تار میں پروئے ہوئے ہے اور مرگ چھالا بچھائے شیخ عبدالقدوس (گنگوہی) کے آستانے کے سامنے بیٹھا ہے اور اپنے چہرے کو نقاب میں چھپائے ہوئے ہے۔

شاہ عبدالرزاقؒ جاکر اس کے سرہانے کھڑے ہوگئے وہ مرد قلندر ان کو اپنے سرہانے کھڑا دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ اس کے ساتھ بہت تواضع اور انکسار سے پیش آئے ایک خاص انداز سے اپنے ہاتھ کو گھمایا اس کے جواب میں مرد قلندر نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو جنبش دیتے ہوئے اپنی طرف اشارہ کیا۔ شیخ عبدالرزاقؒ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے شیخ عبدالقدوسؒ (گنگوہی) کے گھر کی طرف اشارہ فرمایا تو اس قلندر نے اپنے ہاتھ کی انگلی کا رخ اپنی طرف کر دیا۔

جب شیخ عبدالرزاقؒ نے یہ دیکھا تو وہ دیر تک مراقبے میں سر جھکائے رہے۔ اس کے بعد سر اٹھایا۔ اور جیب و دامن سے نذر و نیاز سے پیش آئے (جھولی پھیلاکر عاجزانہ طور پر مدعا طلب کیا) اس کے جواب میں اس مرد قلندر نے مرگ جھالا اٹھایا اور کسی نامعلوم مقام کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد کچھ نہ پتہ چلا کہ کون تھا اور کہاں گیا (صحیفہ ابرار ص ۳۳۷)

حضرت شیخ سلیم چشتیؒ نے ان اشارات کا یہ مقصد بیان کیا کہ شیخ عبدالرزاقؒ نے اپنے ہاتھ کو جنبش دے کر اس کا اظہار کیا تھا کہ اے مرد قلندر تمہاری زندگی تو ایک ابدال کی زندگی ہے۔ پھر تم یہاں کیوں فروکش ہو؟ اس کے بعد اس مرد قلندر نے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا اظہار کیا تھا کہ یہ بقعۂ زمین میرے حوالے کیا گیا ہے۔ شیخ عبدالرزاقؒ نے شیخ عبدالقدوسؒ (گنگوہی) کے گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ یہ علاقہ تو ان کے حوالے کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں تم اس زمین پر اپنا تصرف کیسے رکھ سکتے ہو۔ اس مرد قلندر نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ جس کے یہ معنی تھے کہ میں تو اللہ کی طرف سے اس پر تصرف کا مجاز ہوں۔ جو مالک الملک ہے اور یہ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ وہ جسے چاہے اس کے سپرد کر دے اور جس کو چاہے معزول فرما دے۔ شیخ عبدالرزاقؒ نے اس کے بعد مراقبہ اور استمداد غیبی میں وقت گزارا۔ پھر اس قلندر کو نذرانۂ نیاز پیش کیا۔ جس کے بعد وہ قلندر اس مقام کی ولایت کے خیال سے دست بردار ہو گیا (صحیفۂ ابرار ص ۳۳۸)

کتاب صحیفۂ ابرار میرے علم دوست کرم فرما جناب رشید احمد حیدری صاحب (۱۵۹ صدر بازار میرٹھ کینٹ) نے مستعار عنایت فرمائی تھی جس سے میں نے یہ اقتباس حاصل کیا جس کے لیے میں جناب رشید احمد حیدری صاحب کا ممنونِ کرم ہوں۔

اس میں کلام نہیں کہ یہ اسی واقعہ کا قدرے تفصیلی بیان ہے جسے صاحب خوارقات نے اختصار سے قلمبند فرمایا ہے جو محض سماعت پر مبنی اور کوئی ڈھائی سو برس بعد قلم بند کیا گیا ہے۔ اگرچہ صحیفۂ ابرار میں بھی نقل در نقل ہوتا ہوا آیا ہے لیکن ماخذ اس کا کتاب معارج الاولیاء ہے جو اسی عہد کی تصنیف ہے اور اس لیے بھی زیادہ معتبر ہے کہ اس میں ان اشارات کی تشریح فرمانے والے حضرت شیخ سلیم چشتیؒ (فتحپور سیکری) ہیں جو نہایت ہی معتبر اور اپنے عہد کے ممتاز ترین بزرگ ہیں۔

اس میں بھی اس واقعہ کو حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ سے منسوب بتایا گیا ہے۔ مگر یہ محل نظر ہے۔ بہ تکلف ہی اس کو تسلیم کیا جا سکتا ہے البتہ یہ مانا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ ان ایام سے متعلق ہو کہ جب حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ وفات سے کچھ سال پہلے عالم محویت میں مستغرق رہتے تھے لطائفِ قدسی تصنیف صاحبزادہ رکن الدین بن شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ میں لکھا ہے کہ انتقال سے تین برس پہلے آپ کو سکوت (لاحق) ہو گیا تھا اور آپ بحر احدیت میں مستغرق رہتے تھے۔ کسی سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ (تذکرہ اولیائے ہند ج ۲ ص ۵۲) ایسا لگتا ہے کہ کسی نے آپ کی کسی بات سے اپنی منشا کے مطابق مطلب سمجھ لیا ہو اور آپ کے نام سے یا آپ کی طرف سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا ہو لیکن ان حالات و کیفیات کے پیش نظر یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے مذکورہ خطوط لکھے یا لکھوائے ہوں۔ کتاب معارج الاولیاء کمیاب ہے۔ ہنوز ہمیں بھی دستیاب نہیں ہوئی ہے اگر مل جائے تو امید واثق ہے کہ معلومات میں اضافہ ہوگا۔ بہر حال اس واقعہ کا تعلق حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ سے ذرا بھی نہیں ہے حتیٰ کہ باہم ملاقات بھی ثابت نہیں ہے۔

مذکورہ بیان میں مرد قلندر و ابدال کو ابوزید کی کنیت سے یاد کیا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ابتدائے حال میں حضرت شاہ قمیصؒ کو اسی کنیت سے یاد کیا جاتا ہو۔ جیسا کہ آپ کے والد بزرگوار کو ابوالحیات کی کنیت سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ اور آپ کو قمیصؒ لقب سے اس وقت سے ملقب کیا جانے لگا ہو کہ آپ بلند ترین مدارجِ سلوک پر فائز ہو چکے ہوں اس لیے کہ لفظ قمیص بروئے قواعد عربی تصغیر ہے لفظ قمیص کی لیکن سلوک میں اس سے مراد جملہ کمالات درویشی کی جامع شخصیت ہوتی ہے کیونکہ معنیٰ اس کے لباس ولایت و عزت بھی ہیں (المنجد)

آپ کے اس لقب کو ایسی مقبولیت نصیب ہوئی کہ اصل نام بھی نظروں سے اوجھل ہوگیا اور آپ آج تک اسی لقب سے متعارف ہیں۔ جو نام کی جگہ زبان زدِ خاص و عام ہے۔

(۲) سنہرا دیس

(مشرقی پاکستان پر ایک نظر)

مطبوعہ ادارۂ مطبوعات پاکستان کراچی ۱۹۶۴ء مرتبہ جناب وفا راشدی صاحب

شاہ قمیص قادریؒ بھی قدیم الایام سے بنگال ہی میں رہتے تھے۔ حضرت شاہ قمیص ابن شاہ ابی الحیاتؒ حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد سے تھے۔ اگرچہ بنگال میں پیدا ہوئے پھر بھی ان کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا اس لیے مریدین ان کی وفات کے بعد نعش کو بنگال سے ساڈھورہ ضلع انبالہ لے گئے (ص ۵۴) جملہ تذکرے متفق ہیں کہ حضرت شاہ قمیصؒ نے ملک بنگال میں وفات پائی۔

(۳) اشرف الاخبار دہلی

ہفت روزانہ ۱۰ ستمبر ۱۸۶۷ء

ساڈھورہ

ایک دوست نے لکھا ہے کہ یہاں مزار حضرت قمیصؒ کا ہے۔ ہر سال دسؔ ربیع الثانی کو عرس میں صدہا کوس سے ہزارہا آدمی آتے تھے۔ اور شرف زیارت سے مشرف ہوکر...... روپیہ چڑھاتے تھے۔ اب کے سرکار نے بخوف وبا (ہیضہ) لوگوں کو وہاں جمع ہونے سے منع کیا اور جا بجا ڈھنڈورہ پٹوا دیا۔ المختصر روز عرس کوئی آنے نہیں پایا اور جو آیا اس کو ملازمان سرکاری نے ٹھہرنے نہیں دیا۔ بعد زیارت فوراً رخصت کر دیا۔ (یہ اخبار خدا بخش اورنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ (بہار) میں محفوظ ہے)

۲۔۳۔ یہ دونوں اطلاعات فاضل دینیات مولانا شعائر اللہ خانصاحب رامپوری سلمہ اللہ تعالیٰ نے ارسال فرمائی ہیں۔ میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور ان کی علم نوازی کا ممنون ہوں۔

الحمدللہ علیٰ احسانہٖ کہ برخوردار سید عبدالقیوم شاہ قمیصی القادری سلمہ اللہ تعالیٰ کی فرمایش وخواہش سے آج بروز پنج شنبہ ۲۹ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۴ر ستمبر ۱۹۸۷ء کتاب خوارقات شاہ قمیص قادریؒ کا ترجمہ تکمیل کو پہنچا۔ مقدمہ اور حواشی کا اضافہ کیا گیا۔

مُترجِم و مُرتّب

اخلاق حسین دہلوی

یکے از اخلاف پیران پیر دستگیر
محبوب سبحانی قطبِ ربّانی سید عبدالقادر جیلانی
قدس اللہ سرہٗ العزیز
لال محل بستی حضرت نظام الدین اولیاؒ، نئی دہلی
110013

شکریہ

میں عزیز القدر سیّد ضمیر حسن زیدی سلمہٗ ایم، اے کا اور برخوردار سیّد احمد عزیز حسنی حسینی سلمہٗ بی، اے کا بہت بہت شکرگزار ہوں کہ انھوں نے تصحیح کی زحمت گوارا فرمائی، نیز میں باکمال خوشنویس محترم الحاج محمد خلیق ٹونکی صاحب کا بھی بہت ہی ممنون ہوں جنھوں نے ازراہِ کرم تصحیح قلمبند فرمائی اور سرورق اور گردپوش بھی تیار فرمایا۔ اللہ پاک جزائے خیر عنایت فرمائے۔

اخلاق حسین دہلوی

کتابیات

(مراجع)

اخبار الاخیار ——— شیخ عبدالحق محدث دہلوی

اشرف الاخبار دہلی ——— (۱۰ر دسمبر ۱۸۶۷ء)

الفاروق ——— علامہ شبلی نعمانی

المنجد ——— مشہور عربی لغت

آئینہ ملتان ——— منشی عبدالرحمٰن خاں (ملتان)

آئینۂ ملفوظات ——— اخلاق حسین دہلوی

پیر سید بدھو شاہ (ساڈھورا) ——— اخلاق حسین دہلوی

تاریخ اسلام ——— سید ذاکر حسین جعفر دہلوی

تاریخ فرشتہ ——— ابوالقاسم ہندوشاہ فرشتہ

تاریخ فیروزشاہی ——— شمس سراج عفیف

تاریخ مبارک شاہی ——— یحیٰ سہرندی

تاریخ ہند ——— مولوی ذکاء اللہ

تحفۃ الابرار ——— مرزا آفتاب بیگ

تذکرہ اولیاء ہند ——— مرزا محمد اختر دہلوی

تذکرہ - ذکر جمیع اولیاء دہلی ——— محمد حبیب اللہ

تذکرہ حضرت شاہ قمیص اعظم ——— سید اظہار احمد گیلانی ایم۔اے۔

تذکرۃ الفقراء ——— شہزادہ احمد اختر (کرانا)

تذکرہ مجمع الاولیاء ——— شیخ بدرالدین سہرندی

تفسیر مظہری ——— حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی

تقویم ہجری وعیسوی ——— ابونصر محمد خالدی ایم۔اے

ثمرات القدس ——— لعل بیگ لعلی

مخطوطہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد (ہند)

مخطوط قومی عجائب گھر کراچی (پاکستان)

جامع ترمذی ——— ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی

جوامع الکلم ———— خواجہ گیسو دراز سید محمد حسینی بندہ نوازؒ
حدیقۃ الاولیاء ———— مفتی غلام سرور لاہوری
حزب البحر ———— شیخ ابوالحسن شاذلی بن عبداللہؒ
حرز کافی (مجموعہ دعا) ———— قلمی
حرز یمانی ———— ....
حضرات القدس ———— شیخ بدرالدین سہرندیؒ
حیات حضرت ابراہیم ادہمؒ ———— اخلاق حسین دہلوی
حیات خواجہ بزرگ اجمیریؒ ———— اخلاق حسین دہلوی
(مقالہ آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی) ————
حیات پیر سید بدھو شاہ (ساڈھورا) ———— اخلاق حسین دہلوی
خزینۃ الاصفیاء ———— مفتی غلام سرور لاہوری
خوارقات حضرت شاہ قمیص قادریؒ ———— میر محمد لاہوری (قلمی)
(پنجاب یونی ورسٹی لائبریری لاہور)
خیر المجالس ———— مولانا حمید الدین قلندرؒ
(ملفوظات حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ)
راحت القلوب ———— حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ
(ملفوظات حضرت بابا فرید گنجشکرؒ)
رسالہ قمیصیہ ———— مطبوعہ مطبع بلال ساڈھورا (ہریانہ)
رسالہ قمیصیہ ———— ناشر پیر سید شکور احمد شاہ آبادی
مطبوعہ نیو عالمگیر پریس سیال کوٹ
رسالہ قمیصیہ (مطبوعہ دیوبند پریس) ———— ناشر پیر سید عبدالباسط شاہ قمیصی قادری
(سجادہ نشین درگاہ حضرت قمیص اعظمؒ)
سرور الصدور ———— شیخ فرید الدین ناگوری نبیرہ حضرت صوفی صاحبؒ
(ملفوظات حضرت صوفی حمید الدین ناگوریؒ) ———— (قلمی نسخہ قومی عجائب گھر کراچی (پاکستان)
سنن نسائی ———— ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ
سنن ابن ماجہ ———— ابوعبداللہ ماجۃ القزوینیؒ
سنوات الاتقیاء ———— شیخ بدرالدین سہرندیؒ
سنہری دیس ———— وفا راشدی
سیر الاولیاء ———— امیر خورد سید محمد کرمانیؒ

سیرالمتاخرین ــــــــــــ سید غلام حسین طباطبائیؒ

سیرت النبیؐ (جلد ۲) ــــــــــــ علامہ شبلی نعمانیؒ (حاشیہ حضرت سید سلیمان ندویؒ)

شجرۃ الانوار ــــــــــــ سید اصغر علی گیلانی

صحیح بخاری ــــــــــــ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ (امام بخاری)

صحیح مسلم ــــــــــــ ابوالحسن مسلم بن الحاج القشیریؒ

صحیفۂ ابرار ــــــــــــ خواجہ حضرت شیخ عبدالرزاق جھنجھانویؒ قادری

فوائدالسالکین ــــــــــــ حضرت بابا فرید گنجشکرؒ

(ملفوظات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ)

فوائدالفواد ــــــــــــ امیر حسن علاء سنجریؒ

(ملفوظات حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ)

فہرست مخطوطات تصوف ــــــــــــ عارف نوشاہی

(قومی عجائب گھر کراچی پاکستان)

قرآن مجید ــــــــــــ مُنَزَّل من اللہ تعالیٰ

قصر عارفاں ــــــــــــ حافظ احمد علی سلیمانی خیرآبادی

لطائفِ قدسی ــــــــــــ شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ

ماثبت بالسنہ ــــــــــــ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

مراۃ الاسرار ــــــــــــ شیخ عبدالرحمٰن چشتی

مشکوٰۃ شریف ــــــــــــ ولی الدین محمد بن احمد خطیب تبریزیؒ

معارج الاولیاء ــــــــــــ شیخ فتح اللہ سنبھلیؒ

منہیات ــــــــــــ ابن حجر مکیؒ

مہرِ منیر ــــــــــــ مولانا فیض اللہ

(نسب نامہ ساداتِ حسنی قمیصی) ــــــــــــ (کتب خانہ پیر سید مہر علی شاہ قمیصیؒ گولڑا شریف)

نزہت الخواطر (۴) ــــــــــــ مولوی عبدالحی (رائے بریلی)

نسب نامہ سادات عرب سرائے دہلی (قدیم) تحویل اخلاق حسین دہلوی

ہدایہ (فقہ حنفی) ــــــــــــ ابوالحسن برہان الدین علی بن محمد مرغینانیؒ

دَارُالعُلوم قمیصیہ فرُقانیہ

یہ دینی مدرسہ ہے جو حضرت قادر قمیص اعظم قدس اللہ سرہٗ العزیز کی درگاہ فلک بارگاہ میں ہے اِس میں بچّوں کو قرآنِ عظیم ناظرہ بھی پڑھایا جاتا ہے اور حفظ بھی کرایا جاتا ہے۔ گزشتہ سال کئی بچّوں نے تراویح میں قرآن پاک پڑھا اور دادِ تحسین حاصل کی۔

بچّوں کو اُردو ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حساب۔ جغرافیہ اور تاریخ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ خصوصی طور پر دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے، مڈل تک تعلیم کا انتظام ہے۔ جب بچّے مڈل کا کورس پڑھ لیتے ہیں تو بورڈ کا امتحان دلادیا جاتاہے نتیجہ بہت اچھا رہتا ہے۔ نماز روزے کی خاص طور پر پابندی کرائی جاتی ہے۔ بچّوں کو تقریر کرنا بھی سکھایا جاتا ہے۔ اور دستکاری بھی سکھائی جاتی ہے۔ بڑی تعداد میں اساتذہ خلوص اور تندہی سے درس و تدریس میں مشغول رہتے ہیں۔

طالبات کی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام ہے۔ طالبات کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے ساتھ ساتھ سینے پرونے۔ بُننے کاڑھنے اور پکانے رینڈھنے کی بھی تربیت دی جاتی ہے۔ طالبات کی تعلیم و تربیت کے لیے اُستانیاں ہیں جو خلوص اور دلجوئی سے ان خدمات کو انجام دیتی ہیں۔

بچّوں اور بچیوں کے لیے الگ الگ کلاسیں اور دارالاقامہ (بورڈنگ ہاؤس) ہیں۔ بچّوں اور بچیوں کو تعلیمی ضروریات قلم دوات، روشنائی۔ کاغذ کاپیاں۔ تختی۔ سلیٹ اور کتابیں بھی مدرسہ ہی کی طرف سے فراہم کی جاتی ہیں۔ مدرسہ میں مقیم رہنے والے بچّوں کو کھانا بھی مدرسہ ہی سے دیا جاتا ہے۔ ننھے ننھے بچّوں کو لانے لے جانے کے لیے سواری کا بھی انتظام ہے۔ غرض کہ ہریانہ پرانت میں یہ واحد دینی درس گاہ ہے۔ جو کامیاب بھی ہے۔ ہریانہ پرانت میں مسلمان بہت کم تعداد میں ہیں جو مختلف دیہاتوں میں رہتے ہیں۔ ان کا ذریعۂ معاش بھی بہت معمولی ہے تو چونکہ مدرسہ بچّوں کی کفالت بھی کرتا ہے اور تعلیمی خدمات بھی خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے۔ اس لیے بچّوں اور بچیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ عمارت کی مزید ضرورت درپیش ہے۔ درگاہ شریف کا رقبہ وسیع ہے البتہ عمارت تعمیر کرانے کی ضرورت ہے۔

اھلِ خیر حضرات سے درخواست ھے کہ وہ مدرسہ کا معائنہ فرمائیں اور پُورا پُورا تعاون دیں جو موجبِ اجرِ عظیم ھے۔

پیرزادہ سیّد عبدالقیوم شاہ قمیصی قادری

مہتمم: دارالعُلوم قمیصیّہ فرقانیہ

ساڈھورہ۔ ضلع جمنا نگر۔ ہریانہ 133204

(انڈیا)

فون نمبر 82569

〃 82789

تصنیفات الحاج علامہ سیّد اخلاق حسین دہلوی

علمِ ادب

مضمون نگاری

فنِ شاعری

میزانِ سخن

روحِ بلاغت

شمیمِ بلاغت

تنقید و تحقیق اور تصوّف

آئینۂ ملفوظات

ویدک دھرم اور اسلام

جائزہ مکتوب حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ

سوانح

حیات میر محمدی بیدارؒ

حضرت محبوبِ الٰہیؒ

شیخ ابوبکر طوسیؒ

مخدوم شیخ حیدرؒ

حضرت شاہ قمیص اعظمؒ

حضرت بابا فرید گنجشکرؒ (زیرِ ترتیب)

تذکرة المشائخ

حضرت خواجہ حسن بصریؒ

حضرت خواجہ عبدالواحد بصریؒ

حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ

حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ

خواجہ حذیفة المرعشیؒ

خواجہ ہُبَیْرَة البصریؒ

خواجہ ممشاد دینوریؒ

خواجہ ابواسحاق شامیؒ

خواجہ ابواحمد ابدال چشتیؒ

خواجہ ابومحمّد ابدال چشتیؒ

خواجہ ابویوسف چشتیؒ

خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ

خواجہ حاجی شریف زندنیؒ

خواجہ عثمان ہارونیؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ کاکی

● دوسرا ایڈیشن آفسیٹ پر شائع ہونے والا ہے ●

رسالہ اصول السّماع (عربی متن اور ترجمہ) زیرِ طبع

فوائد السّالکین (تحقیقی مقدمہ اور ترجمہ) زیرِ طبع

● —— دیگر کتب کے ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں —— ●

عقابی